

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: سانحہ لال مسجد۔ مجرم کون؟

مصنف: ایثار رانا

نگران اشاعت: خالد پرویز

سرورق: مطبع اللہ سہرا

تاریخ اشاعت: 16 جولائی 2007

تعداد: 2000

صفحات: 156

قیمت: 200/= روپے

انتساب

مذہبی انتہا پسندوں اور روشن خیالوں
کے ہاتھوں زخم زخم پاکستان کے نام



پیش لفظ

سانحہ لال مسجد ایک ایسا زخم ہے جو جتنا ٹھنڈا پڑے گا اتنی تکلیف پہنچائے گا۔ یہ صرف سینکڑوں لوگوں کے مارے جانے کا ہی قصہ نہیں ہماری بے بسی اور ایک بے حسی کی بھی شرمندہ داستان ہے۔ جس طرح کئی سو گھنٹے قوم کے اعصاب سے کھیلا گیا وہ ایک الگ واقعہ ہے۔ اس کتاب میں نے کوئی سنسی خیز انکشافات اکٹھے نہیں کیے۔ بس حالات جو جس طرح پیش آئے سادہ شکل میں بیان کر دیئے۔ انہیں سامنے رکھ کر نتائج اخذ کرنا اب آپ کی ذمہ داری ہے۔ سانحہ کا مجرم کون ہے؟ یہ بھی آپ نے طے کرنا ہے، میری کوشش کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھ ہے۔ مجھے آپ کی آراء کا انتظار رہے گا۔

یہاں اگر میں محمد ارشاد کا ذکر نہ کروں تو بہت بڑا جرم ہوگا۔ کیونکہ محمد ارشاد کے بغیر اس کتاب کا مکمل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں ان دوستوں کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے در پردہ رہ کر میری کتاب کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کیا۔

فہرست

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
6	بربادی کا نوحہ	1
11	لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی تاریخ	2
18	مشرف بمقابلہ غازی برادران	3
21	چقلش کا آغاز	4
27	آپریشن سائیلنس	5
30	3 جولائی 2007ء (آپریشن سائیلنس 3 جولائی سے 10 جولائی)	6
35	4 جولائی 2007ء	7
39	5 جولائی 2007ء	8
42	6 جولائی 2007ء	9
45	7 جولائی 2007ء	10
47	8 جولائی 2007ء	11
49	9 جولائی 2007ء	12
54	10 جولائی 2007ء	13
56	بے حس بے حس	14
61	سیاستدان اور علماء کا کردار	15
80	میڈیا کا کردار	16
86	فوجی جوانوں کی قربانی	17
88	سانحہ لال مسجد کے جواب طلب سوالات	18
94	محفوظ مستقبل کے لیے حکومت اور علماء مسلسل مذاکرات کریں (کالم)	19
100	34 افراد نے مذاکرات میں حصہ لیا	20
103	باغی کی موت (کالم)	21
109	”غازی شہید“ (کالم)	22
113	کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟ (کالم)	23
122	خون کا خراج کیوں؟ (کالم)	24
127	کس نے کیا کھویا کیا پایا؟	25

بربادی کا نوحہ

ہاتھ میں قلم تھامے سوچ رہا ہوں کیا لکھوں؟
پچھلے 72 گھنٹوں کے عذاب نے دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ ایک ایک پل
اذیت، ایک ایک پل قیامت
کیا لکھوں؟
اپنی بربادی کا نوحہ
قوم کا نوحہ
ایک ایک فرد کا نوحہ
فرائض انجام دیتے جان قربان کرنے والے صحافی کا نوحہ
ریجنرز کے شہید جوان کا نوحہ
بے گناہ تاجر کی ہلاکت کا نوحہ

چند جنونیوں کے ہاتھوں ذہنی و جسمانی ریغمال بنے ہزاروں معصوموں کا نوحہ
ان پھول سی بچیوں کا نوحہ جو گولیوں کا نشانہ بن گئیں، ان معصوم آنکھوں کا
نوحہ جو علم کی روشنی لینے آئیں اور تاریک راہوں پر ماری گئیں۔
چھوٹی چھوٹی پھول سی معصوم یتیم بچیاں اور چار سواندھیرا، فضاء میں شیلنگ کا
زہر آہستہ آہستہ جسم سے جدا ہوتا سانس، وہ تو جائے پناہ میں تھیں۔ مسجد میں تھیں۔
یہ قیامت ان پر کیسے آگئی صحن، چھت اور کمروں میں خون آلود لاشے اور ان
کی دہشت زدہ آنکھیں۔

یا الہی!

اس قوم کے مقدر میں امتحان در امتحان کیوں لکھ ڈالے خون، دھماکے، لاشے
بے گناہ زندگیوں کے سودے

پوری قوم چند جنونیوں کے ہاتھوں ریغمال بنی ہے۔ جس کے پاس تھوڑی سی
طاقت ہے وہی فرعون ہے۔ کوئی ایوان اقتدار میں بیٹھ کر کوئی برطانیہ، دبئی میں بیٹھ کر اور
کوئی مدرسوں میں بیٹھ کر، اپنی اپنی بازی کھیل رہا ہے۔ سانحہ کراچی ہو یا لال مسجد، لاشے
گرتے ہیں تو بے چارے کیڑے مکوڑوں کے۔ جہاں سے حنی علی الفلاح کی آوازیں
آتی تھیں اب وہاں سے کلاشکوف، بم راکٹ لائچر برسیں گے؟ سطحی سوچ رکھنے والے
بھائیوں کی جنگ جوئی کی بھینٹ معصوم بچوں کو چڑھنا پڑے گا۔ بقول حامد میر درجنوں
افراد ایسے ہی مارے گئے۔

کب تک! آخر کب تک یہ مخلوق طاقتوروں کی جنگ جوئی میں ایسے ہی ماری
جاتی رہے گی۔ سانحہ کراچی میں درجنوں غریب عام کارکن ایسے ہی مارے گئے اور

ایک بار پھر درجنوں افراد ایسے ہی کسی کی مہم جوئی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

سانحہ لال مسجد کا کسے فائدہ ہوا؟ وہ کون سے خفیہ ہاتھ تھے جو ان دونوں بھائیوں کو شیر بناتے رہے؟ وہ کون تھے جنہوں نے جامعہ میں اسلحہ کے انبار لگنے دیئے گیس ماسک راکٹ لانچر جمع ہونے دیئے، طلباء کے بھیس میں موجود چند دہشت گردوں کی بغاوت کو آہستہ آہستہ بڑھنے دیا گیا؟ چڑیا کے پر گن لینے والی ایجنسیاں کہاں سو گئی تھیں۔ کون جانتا ہے ایک بار پھر کون کسے استعمال کر گیا۔ پوری دنیا میں جگ ہنسائی کا سبب بننے والے مولانا عبدالعزیز کا روپ میڈیا کے سامنے ایک جوکر کی شکل میں سامنے آیا۔

تین سو بشارتوں کا اختتام ایک برقعہ۔

قرآن پر شہادت کی قسمیں تو مسجد میں موجود طلباء کے لئے تھیں، اور انکا راہنما برقعہ پہن کر جان بچانے بھاگ نکلا۔ رہے معصوم طلباء وہ بے چارے تو چارہ تھے، ایندھن تھے ان کے جسم جل مرے اور وہ مرکز دور بہت دور ایک محفوظ مقام پر بیٹھے مسیحا کو دوام بخش گئے۔

سانحہ کراچی کی طرح یہ قوم کبھی نہ جان سکے گی کہ لال مسجد کے پیچھے کون تھا کون ان دونوں بھائیوں کو کٹھ پتلی کی طرح چلا رہا تھا۔ ٹائم فریم کس نے طے کیا۔ کس نے ایک نازک موڑ پر میڈیا کا رخ کسی اور سمت موڑ دیا؟ قوم کو یہ حق پہنچتا ہی نہیں ہے۔ اس کی ذمہ داری بس ”ایسے ہی“ اقتدار کی بھٹی کا ایندھن بنتا ہے۔ کروڑوں فارغ لوگوں میں سے درجنوں آئے روز ”ایسے ہی“ مر بھی جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ انہوں نے زندہ رہ کر کیا کر لیا ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک جب بھی کسی مہربان کو

ضرورت پڑی مرثیے والوں کی ایک فوج تیار ہے ”ایسے ہی“ مارے جانے کا سلسلہ نہ رکا ہے نہ رکے گا۔

72 گھنٹے ٹیلی ویژن پر اذیت ناک مناظر، سوختے لاشے، فائرنگ دھماکے دیکھ کر میری گیارہ سالہ بیٹی دعا نے بے ساختہ مجھے کہا ”بابا کیا کبھی کوئی ایسا نہیں آئے گا جو ہمیں اذیت نہ دے“ قیامتوں، حادثوں، دھماکوں میں پلنے والے معصوم بچوں پر مرتب ہونے والے اثرات کا انہیں کیا اندازہ، جن کی اولادیں پلتی بڑھتی ہی باہر ہیں، جو امریکہ، انگلینڈ، دبئی کے پرامن آسودہ حال معاشرے کا حصہ ہیں۔

کیا کبھی کوئی ایسا آئے گا جو ان معصوم بچوں کی اذیت کا مفہوم سمجھ سکے، جو ان آنکھوں میں آنے والے ننھے ننھے آنسوؤں کی قیمت سے آشنا ہو، جو ہمارے بچوں کے دکھ سمجھ سکے۔

دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔

چینلز مذہب کے نام پر معصوم طلباء کے ساتھ ہونے والے بھیانک کھلواڑ کو دکھا رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں، قرآن پاک کے حفاظ جنہیں مسجد میں چند جنونیوں نے یرغمال بنائے رکھا۔ دم گھٹنے سے مرجانا بہت اذیت ناک ہوتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو مرتے دیکھنا اس سے بھی زیادہ۔

سر شرم سے جھکا ہے، میں اپنی بچی کے سامنے شرمسار ہوں، میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ ہم اپنے بچوں کو ایک پرسکون آسودہ پرامن آج دینے میں ناکام ہیں اور کل کیا ہو کے پتہ؟ اسٹیلشمنٹ سے لے کر کھر بوں پتی سیاستدانوں سے کیا شکوہ، ہم خود ہی مجرم ہیں۔ اپنی عاقبت سنوارنے کے لالچ میں اپنے جگر گوشوں کو کسی بھی جنونی کے

حوالے کر دیتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے اپنی بربادی کا سامان ہوتے دیکھتے ہیں اور کسی ان دیکھے مسیحا کے انتظار میں بے حسی کی مالا جپتے رہ جاتے ہیں۔ جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں آنے والے ہزاروں بچے کس کے ہیں۔ ہمارے..... ہماری ہی تو ہیں۔ پچھلے تین ماہ سے اس پلیٹ فارم سے ہونے والی مہم جویوں پر بھی ہم نے ہوش کے ناخن نہیں لئے۔ آج کس منہ سے میڈیا کے سامنے اپنی اولادوں کا سوگ منا رہے ہیں۔ ہم نے اپنی جنت کے لئے ان کی زندگیاں ایک دوزخ میں پھینک دیں۔ ان کے پھول جسم سوختہ تباہ حال ہمارے سامنے ہیں ان کے چہروں پر کئی دنوں کی بھوک پیاس نمایاں ہے۔ وہ کس طرح ایک دہشت خوف کے ماحول میں بے بس پرندے کی طرح پھڑپھڑاتے رہے ہوں گے۔ ہم سب مجرم ہیں ان تمام بے گناہ نوجوانوں کے قتل کے۔

سانحہ لال مسجد تازہ ہے اسے بھی ہم جلد دیگر سانحوں کی طرح بھول جائیں گے۔ مرنے والے خاک کا حصہ بن جائیں گے سانحہ کے اسباب پس پردہ محرکات، شطرنج کے اصل کھلاڑی کبھی سامنے نہیں آئیں گے۔ رہنما مزید اعتماد سے حکومت کریں گے۔ حکومت گرانے والے پھر نئے عزم سے حملہ آور ہوتے رہیں گے۔ ہاں جب طاقت اور اقتدار کی لڑائی عروج پر ہوگی۔ اختتام کی طرف بڑھے گی۔ اپنے منطقی انجام کے قریب ہوگی تو اچانک ایک نیا سانحہ سامنے آ جائے گا۔ اقتدار کی کشمکش اور آگ کو چند درجن لاشے پھر ٹھنڈا کر دیں گے اور ہم نوحہ گر ایک نئے سانحہ پر روتے پیٹتے رہیں گے اور شطرنج کے کھلاڑی پیادوں کو مروانے کے بعد طاقت، رعونت، خود غرضی کے موتیوں سے سجدے تخت پر بیٹھ کر اپنی کامیابیوں کا جشن مناتے رہیں گے۔ انہیں کبھی ہمارے بچوں پر گزری قیامتوں اور اذیتوں کا احساس نہیں ہو سکے گا۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی تاریخ

اسلام آباد کی مرکزی لال مسجد کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہی وفاقی دارالحکومت کی ہے۔ 3 جولائی 2007ء کو شروع ہونے والے سانحہ کے اسباب اور محرکات مولانا عبداللہ کے مرکزی لال مسجد کے خطیب بننے سے لے کر 3 جولائی 2007ء تک 41 سالوں پر محیط ہے۔ جب صدر پاکستان ایوب خان نے وفاقی دارالحکومت کو کراچی سے اسلام آباد منتقل کیا۔ کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے 1965ء میں میلوڈی اور آبپارہ کے درمیان مرکزی لال مسجد تعمیر کی تو حکومت کو اس کے لئے خطیب کی ضرورت پڑی جس کے لئے مولانا محمد یوسف بنوری سے رابطہ کیا گیا۔ انہوں نے 1966ء میں مولانا محمد عبداللہ کو کراچی سے اسلام آباد بھیج دیا۔ جنہیں حکومت نے فوری طور پر مرکزی لال مسجد کا خطیب مقرر کر دیا مولانا عبداللہ 1935ء میں راجن پور کی تحصیل روجھان کے قصبہ میں پیدا ہوئے۔ 7

سال کی عمر میں بستی بھنگ ضلع رحیم یار خاں کے مدرسہ خدام القرآن میں دینی تعلیم کے لئے داخل ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا محمد عثمان سے حاصل کی۔ جامعہ قاسم العلوم میں مولانا مفتی محمود سے تعلیم حاصل کی۔ جو مولانا فضل الرحمن کے والد ہیں۔ مولانا عبداللہ، مولانا مفتی محمود، مفتی محمد شفیع اور مولانا یوسف بنوری کے معتقد تھے۔ ان تینوں کا مسلک دیوبند ہے۔ مفتی محمود کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے سرکاری خطیب ہونے کے باوجود وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خلاف سرگرم رہے۔ 29 مئی 1974ء کو جب ربوہ ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں نے ملتان کے طلباء کو تشدد کا نشانہ بنایا تو مذہبی جماعتوں نے تحریک ختم نبوت کا آغاز کر دیا۔ مولانا عبداللہ اس تحریک میں پیش پیش رہے۔ ان کی تحریک ختم نبوت میں دلچسپی کی وجہ سے مرکزی لال مسجد تحریک ختم نبوت کا مرکز بن گئی مولانا مفتی محمود اسلام آباد آئے تو ان سے ضرور ملتے مولانا مفتی محمود اپوزیشن میں تھے۔ اس کے باوجود سرکاری لال مسجد میں تقاریر کرتے تھے۔ جس کا اہتمام مولانا عبداللہ کرتے تھے۔ ان کی ان سرگرمیوں سے اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو ان سے نالاں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بیورو کریسی انہیں ان حرکات سے روکنے کی کوشش کرتی لیکن وہ حکومت کو خاطر میں نہ لاتے۔ یہیں سے مولانا اور بیورو کریسی کے درمیان اختلافات کی بنیاد پڑ گئی۔ انہیں کئی بار نوٹسز دیئے گئے جب ان پر کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تو حکومت انہیں یہاں سے تبدیل کرنے پر تل گئی لیکن عوامی دباؤ کے پیش نظر ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی وجہ سے ذوالفقار علی بھٹو کی بنائی ہوئی ایف ایس ایف فورس نے 1975ء میں مولانا عبداللہ کو اغواء کر لیا۔ ان کے اغواء پر ملک بھر میں تحریک چل پڑی جس سے خائف ہو کر حکومت نے انہیں چھوڑ دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف اپوزیشن کی تحریک زوروں پر تھی۔ وہ اپوزیشن کے ماننے پر تیار ہو گئے تھے

کہ جنرل ضیاء الحق نے جولائی 1977ء کو ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ لگا دیا۔ انہیں اسی مقصد کے لئے علماء کی حمایت کی ضرورت تھی۔ اسلام آباد میں مولانا عبداللہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہیں بھٹو کے عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی مرتبہ جیل کی ہوا کھانا پڑی تھی۔ لہذا مولانا ضیاء الحق کے منظورِ نظر ٹھہرے۔ میں نے انہیں خوب نوازا جس سے مرکزی لال مسجد کو عروج حاصل ہونا شروع ہو گیا ضیاء الحق نے مسجد کی تعمیر و تزئین و آرائش کے لئے دل کھول کر فنڈز دیئے۔ 1981ء میں صدر پاکستان کی ہدایت پر مرکزی لال مسجد کی ری سٹرکچرنگ کی گئی جس پر 7.255 ملین روپے لاگت آئی۔ مولانا عبداللہ نے ان تمام سرگرمیوں کے باوجود ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جس میں طلبہ کی تعداد 20 کے قریب تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ طلبہ کی تعداد میں اضافہ کے پیش نظر اس مدرسہ کو سیکٹر ایف 6/2 میں منتقل کر دیا گیا جس کا نام مدرسہ عربیہ اسلامیہ رکھا گیا۔ ضیاء الحق کے دور میں اس سی ڈی اے نے اس مدرسہ کو تجاویزات قرار دے کر گرا دیا۔ مولانا نے فوری طور پر ضیاء الحق سے ملاقات کی اور انہیں مدرسہ گرائے جانے کے بارے میں بتایا انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ لیکن مولانا کو مدرسہ سے کے لئے ای سیون میں ایک پلاٹ الاٹ کر دیا۔ 1984ء میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ ای سیون میں منتقل ہو گیا جہاں اس کا نام تبدیل کر کے جامعہ فریدیہ رکھ دیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق میں جہادی تنظیمیں، کشمیر میں انڈین فوج اور افغانستان میں روسی فوجوں سے برسرِ پیکار تھیں۔ ان کی اس مصروفیت کی وجہ سے حکومت کو ان سے کوئی پریشانی نہ تھی جبکہ 1979ء سے شروع ہونے والی روس اور افغانستان کی جنگ کے پیش نظر امریکہ نے بھی پاکستان پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور حکومتی پالیسیاں جہادیوں کے حق میں تھیں افغانستان

میں روس کے خلاف 1989ء تک ایجنسیوں نے جہادی تنظیموں کی خوب سرپرستی کی اسی دور میں لال مسجد بھی جہادیوں کا مرکز بن گئی اور افغانستان میں پڑنے والے کمانڈروں کے رابطے لال مسجد کے ساتھ ہو گئے جو یہاں آکر ٹھہرا بھی کرتے تھے۔ اسی نسبت سے مولانا عبداللہ کے مختلف ایجنسیوں کے ساتھ بھی رابطے ہو گئے۔ ایجنسیاں اپنے مقاصد کے لئے لال مسجد کو استعمال کرتی رہی ہیں۔ لہذا طالبان کا بھی لال مسجد سے رابطہ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے لال مسجد کبھی امریکی حکومت کی آنکھوں سے اوجھل نہیں رہی۔ 1988ء میں ضیاء الحق کی طیارے کے حادثے میں موت کے بعد ہونے والے الیکشن کے نتیجہ میں پاکستان پیپلز پارٹی کی ایک مرتبہ پھر حکومت بنی وزیراعظم بینظیر بھٹو تھیں۔ بیوروکریسی کے وہ عناصر جو مرحوم ضیاء الحق کے دور میں لال مسجد کی طرف دیکھنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ پھر مولانا عبداللہ کے خلاف سرگرم ہو گئے۔ انہیں لال مسجد سے کہیں اور بھیجنے کے لئے سازشیں کرنے لگے۔ اسی وجہ سے انہیں مئی 1990ء میں گرفتار کر لیا گیا اور انہیں لال مسجد سے تبدیل کر کے ایک قبرستان کی مسجد کا خطیب لگا دیا گیا۔ لال مسجد دارالحکومت کی مرکزی مسجد ہے۔ جس کی رونقیں مثالی تھیں۔ قبرستان کی مسجد جس میں جمعہ کے روز بھی اکا دکا ہی نمازی آئے ان کی جگہ جن مولانا کو مرکزی لال مسجد کا خطیب لگایا گیا انہوں نے یہ عہدہ سنبھالنے سے معذرت کر لی جس کے بعد حکومت کو مجبوراً انہیں دوبارہ لال مسجد میں لانا پڑا بینظیر بھٹو کا دور ختم ہونے کے بعد میاں نواز شریف وزیراعظم بنے تو مولانا عبداللہ پر ایک مرتبہ پھر نوازشوں کی بارش ہونے لگی میاں نواز شریف نے ضیاء الحق کی طرح مولانا عبداللہ کو اپنے منظور نظر افراد کی لسٹ میں رکھا انہیں روت حلال کمیٹی کا چیئرمین بنادیا مولانا عبداللہ نے مرکزی لال مسجد کے ساتھ 1992ء جامعہ حفصہ للبنات کی بنیاد رکھی مختصر

عرصہ میں جامعہ نے اتنی ترقی کی جامعہ خلاف حکومتی کارروائی سے قبل اسکے طلباء و طالبات 10 ہزار کے قریب پہنچ گئی تھی جن میں چار ہزار طلباء اور چھ ہزار طالبات شامل تھیں جامعہ حفصہ میں معلمات کی تعداد 200 تھی یہ دنیا کی واحد جامعہ تھی جس میں 6 ہزار طالبات کے قیام و طعام کی ساری ذمہ داری جامعہ منتظمین پر تھی مولانا عبداللہ لال مسجد، جامعہ حفصہ، جامعہ فریدیہ اور دیگر مدرسوں کے نظام بڑے حوصلے اور کامیابی کے ساتھ چلا رہے تھے لیکن عالمی سطح پر حالات بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے تھے امریکہ جس نے روس کو شکست دینے کے لئے جہادیوں کو پروان چڑھایا تھا اب وہی انہیں مذہبی جنونی اور دہشت گردوں کے نام دینے لگا تھا۔ طالبان کی بنیخ کنی کے بہانے تلاش کر رہا تھا ایسے حالات میں بھی مولانا عبداللہ اپنے راستے سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے جو قوتیں انہیں راستہ تبدیل کرنے پر مجبور نہ کر سکی آخر کار انہوں نے 17 اکتوبر 1998ء کی صبح انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کرا دیا گو کہ ان کے قتل کے بعد حکومت نے انکے بڑے بیٹے عبدالعزیز کو لال مسجد کا خطیب اور چھوٹے بیٹے عبدالرشید کو نائب خطیب مقرر کر دیا انہیں اس وقت کے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کی حمایت بھی حاصل تھی لیکن ملکی اور عالمی سطح پر تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کے باعث حکومتی پالیسیاں تبدیلی ہونی شروع ہو گئی تھیں اور پس پردہ قوتوں نے دونوں بھائیوں کے خلاف جال بننا شروع کر دیا تھا ادھر دونوں بھائی وقت کی بدلتی ہوئی رفتار کا ساتھ نہ دیتے ہوئے اپنے پرانے مواقف پر ہی قائم رہے ادھر ملکی حالات اس طرح بدلے کے 12 اکتوبر 1999ء کو فوج نے میاں نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور اقتدار جنرل پرویز مشرف نے سنبھال لیا۔ بینظیر پہلے ہی ملک سے باہر تھیں۔ میاں نواز شریف ان کے بھائی اس وقت

مولانا عبداللہ کے قتل کے بعد حکومت نے ان کے بڑے بیٹے مولانا عبدالعزیز کو جامعہ لال مسجد کا خطیب اور انکے چھوٹے بھائی مولانا عبدالرشید کو نائب خطیب مقرر کر دیا۔ مولانا عبدالعزیز کو انکے نظریات کی وجہ سے مذہبی سکالر سمجھا جاتا ہے جب ان کے والد کو جامعہ لال مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا تو وہ 60 سال کے تھے۔ 1966ء میں آبائی گاؤں بلوچستان سے اسلام آباد آ گئے۔ یہاں پر چند سال ایک پبلک سکول میں پڑھتے رہے پھر انہیں دینی تعلیم کے لیے کراچی بھیج دیا گیا جہاں پر جامعہ بنوریہ سے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ وہ ملا عمر سے بہت متاثر ہیں ان کا طرز زندگی جہادی ہونے کی وجہ بڑی بڑی مذہبی سیاسی جماعتوں نے ہمیشہ ان سے ایک خاص دوری اختیار کئے رکھی تصویر بنانا پسند نہیں کرتے ان کی بہت ساری سرگرمیاں مذہبی ہونے کی بجائے سیاسی نوعیت اختیار کر گئی۔ انہوں نے بہت سے عوامی ایشوز پر طالبان کی طرز کے فتوے بھی دیئے اور کئی مقامات پر اپنے والد کے اسامہ کے ساتھ تعلقات تذکرہ بھی کیا جامعہ حفصہ کے طلبہ و طالبات پر مشتمل لال مسجد بریگیڈ بنائی اسی بریگیڈ نے آنٹی شیم پولیس اہلکاروں اور مساج سنٹر چلانے والی چینی خواتین کو اغواء کر کے جامعہ حفصہ میں ریغمال بنایا۔ انہیں وانا آپریشن میں لڑنے والے فوجیوں کے خلاف فتویٰ دینے پر حکومتی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ 2005ء میں انہیں مرکزی جامعہ لال مسجد کے خطیب کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا لیکن وہ زبردستی جولائی 2007ء تک مرکزی لال مسجد کے خطیب کے فرائض سرانجام دینے رہے حکومت نے سیاسی اور ملکی حالت کے پیش نظر کسی نئے جھیلے سے بچنے کے لئے اس معاملے میں خاموشی اختیار کئے رکھی انکے چھوٹے بھائی عبدالرشید غازی روائتی مولوی نہیں تھے انہوں باقاعدہ مذہبی تعلیم حاصل نہیں کی قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے انٹرنیشنل ریلیشن میں ایم ایس سی کرنے کے

بعد ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں گریڈ 17 میں ملازمت اختیار کی وہ بھرپور معاشرتی زندگی گزارتے تھے باپ کے قتل کے بعد طرز زندگی یکسر تبدیل ہو گیا جامعہ خفصہ اور جامعہ فریدیہ کے نظم و نسق کو پوری طرح لیا امریکہ کی افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے امریکی اتحادی بننے پر حکومت کے خلاف آواز اٹھانے پر بہت جلد مشہور ہو گئے اس دور میں ایک مرتبہ پھر جامعہ لال مسجد حکومت مخالف ایسی تنظیموں کا مرکز بن گئی جو دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی لڑائی کو اسلام کے خلاف جنگ قرار دیتے ہیں وہ اسلام آباد میں طالبان کے حق میں نکالے جانے والے جلوسوں اور مظاہروں میں نمایاں ہوئے۔ جس کی وجہ سے حکومت کی آنکھوں میں کھنکنے لگے کیونکہ حکومت سمجھتی تھی کہ مرکزی جامع لال مسجد سرکاری مسجد ہے اس کے خطیب اور نائب خطیب سرکاری ملازم ہیں۔ لہذا انہیں حکومت مخالف سرگرمیوں میں شریک ہونے کی بجائے حکومتی پالیسیوں اور فیصلوں کی حمایت میں آواز اٹھانی چاہئے۔

مشرف بمقابلہ غازی برادران

12 اکتوبر کو فوج نے سابق وزیراعظم نواز شریف کا تختہ الٹ دیا۔ اقتدار پر چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف نے قبضہ کر لیا۔ انہوں نے عوام کی حمایت حاصل کرنے اور اقتدار کو طول دینے کے لئے منافقانہ دوہرا رویہ اختیار کرتے ہوئے اپنے پیش رو جرنیلوں کی طرح نفاذ شریعت کے وعدے کا سہارا لینے کی بجائے براہ راست امریکہ کی تابعداری میں ان کے مفادات کو تحفظ دینے اور عالمی سطح پر اپنے حق میں رائے عامہ استوار کرنے کے لئے روشن خیالی کا نعرہ لگا اور دہشت گردی کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا۔ طالبان اور مذہبی جنونیوں کے خاتمے کے لئے دینی مدرسوں کے خلاف سخت اقدامات کئے۔ ان فیصلوں کی وجہ سے وفاقی دارالحکومت کی مرکزی جامع لال مسجد کے دونوں خطیب بھائی مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید ان کے خلاف ہو گئے۔ ایک بھائی جمعہ کے خطبوں

کی تقاریر میں مشرف اور ان کے فیصلوں کو تنقید کا نشانہ بناتا۔ القاعدہ اور طالبات کی حمایت میں رائے عامہ استوار کرتا۔ دوسرا بھائی اسلام آباد میں طالبان کے حق میں نکالے جانے والے احتجاجی مظاہروں میں سرفہرست ہوتا ایک طرف دونوں بھائی طالبان کی حمایت میں کھلم کھلا آگے بڑھتے جا رہے تھے دوسری جانب حکومت بھی ان کے خلاف متحرک ہو گئی جامعہ حفصہ کے خلاف تجاویزات کا معاملہ کھڑا کر دیا جس کے بارے میں یہ انکشافات کئے گئے کہ جامعہ حفصہ کے نام پر 4239 مربع گز کے 3 پلاٹوں پر قبضہ کیا گیا ہے جس میں ایک خواتین کا جمینیزیم کے لئے 3389 مربع گز کا پلاٹ دوسرا لائبریری کے لئے مخصوص کیا گیا 450 مربع گز کا پلاٹ ہے۔ تیسرا 400 مربع گز کا پلاٹ ہے۔ لائبریری کے لئے مختص پلاٹ کی 1 لاکھ 15 ہزار روپے قیمت محکمہ تعلیم نے جمع کرادی تھی۔ ان پلاٹوں کی بحالی کے لئے مختلف اداروں کے عہدیداروں کی جانب سے مختلف وقتوں میں چیئرمین سی ڈی اے کو درخواستیں دی گئی۔ 19 اکتوبر 2002ء کو ڈی جی لائبریری ایم اے اے ظہر نے چیئرمین سی ڈی اے کو لکھا کہ پلاٹ کی قیمت ادا کر چکے ہیں۔ انہیں قبضہ دلایا جائے۔ یہی یاد دہانی 15 نومبر 2002ء کو بھی کرائی گئی۔ 3 مئی 2003ء کو وفاقی سیکرٹری صحت نے چیئرمین سی ڈی اے کو تحریری طور پر آگاہ کیا کہ جمینیزیم کے پلاٹ پر مدرسہ والوں نے تعمیر شروع کر دی ہے۔ 31 دسمبر 2004ء کو وفاقی وزیر تعلیم جاوید اشرف نے وزیر داخلہ آفتاب شیر پاؤ کو لکھا کہ سی ڈی اے کو پلاٹ کا قبضہ دلانے کی ہدایت کی جائے۔ ایک طرف یہ معاملات جاری تھے کہ 2005ء میں مولانا عبدالرشید کے زیر استعمال گاڑی سے اسلحہ پکڑا گیا جس پر ان کے خلاف مقدمہ بھی درج ہوا۔ حکومت نے ایک مرتبہ مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری کے لئے 7 اگست 2004ء کو ان کے گھر پر چھاپہ مارا لیکن وہ روپوش ہو گئے آپارہ پولیس کا

موقوف تھا کہ ان کے خلاف 23 مارچ 2004ء کو مجرم 16 ایم پی او مقدمہ نمبر 48 درج ہے۔ جس میں وہ مفرور ہیں اور پولیس کو مطلوب ہیں یہ چھاپہ ان کی گرفتاری کے لئے مارا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ عبداللہ مسجد سے ملحقہ مدرسے پر پولیس نے چھاپہ مارا۔ مدرسہ کے مہتمم کے مطابق چھاپہ مولانا عبدالرشید غازی کی گرفتاری کے لئے مارا گیا۔ جس پر دونوں بھائی روپوش ہو گئے۔ پھر وفاقی وزیر اعجاز الحق نے صدر جنرل پرویز مشرف سے سفارش کر کے اُن کے خلاف دہشت گردی کے مقدموں پہ کارروائی رکوا دی۔ ان کارروائیوں نے دونوں بھائیوں کی شدت پسندی میں مزید اضافہ کر دیا۔ حکومت دونوں بھائیوں پر حکومت مخالف سرگرمیوں میں شریک ہونے، طالبان کے ساتھ تعلقات اور جہادیوں کی پشت پناہی کے الزامات لگاتی رہی۔ جس کی وجہ سے دونوں بھائیوں اور حکومت کے درمیان خلیج بڑھتی چلی گئی۔

چپقلش کا آغاز

29 جنوری 2007ء۔ 25 مئی تک، دو طرفہ کارروائیاں

20 جنوری 2007ء کو حکومت کی جانب سے راول ڈیم کے قریب جامع مسجد امیر حمزہ، اس سے ملحقہ مدرسہ گرائے جانے اور جامعہ حفصہ کو نوٹس دینے پر تواتر سے کچھ واقعات اس طرح رونما ہوئے کہ جس میں حکومت نرم رویہ اختیار کیا اور جامعہ حفصہ کی طالبات کی غیر قانونی حرکات اور دونوں بھائیوں کی جانب طالبان طرز کار رویہ اپنانے کے باوجود کوئی سخت اقدام نہ اٹھایا جس سے یہ عام تاثر ابھرنے لگا جیسے یہ سب کچھ جامعہ حفصہ کے تنظیمیں اور حکومت کی ملی بھگت سے چیف جسٹس کے ایشو سے توجہ ہٹانے کے لئے ہو رہا ہے۔ حکومت کی احتیاط پسندی اور حکمت عملی کو جامعہ حفصہ کے منتظمین اور طلباء و طالبات نے حکومت کی کمزوری

سمجھتے ہوئے اس حد تک غلط اقدامات اٹھائے کہ ریاست کے اندر ریاست قائم کر کے حکومت کی رٹ کو چیلنج کر دیا۔ واقعات کو دیکھیں 20 جنوری کو حکومت نے مسجد امیر حمزہ منہدم کی اور 22 جنوری کو جامعہ حفصہ کی طالبات نے جامعہ حفصہ سے ملحقہ چلڈرن لائبریری پر قبضہ کر کے جامعہ حفصہ کو دیئے گئے نوٹس واپس لینے، مسجد امیر حمزہ کی دوبارہ تعمیر اور چلڈرن لائبریری کو خواتین کی لائبریری بنانے کا مطالبہ کر دیا۔ اسسٹنٹ کمشنر فراست علی خاں نے موقع پر پہنچ کر مذاکرات کئے جو کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر ختم ہو گئے۔ 27 جنوری 2007ء کو مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید غازی نے حکومت پر الزام لگایا کہ حکومت نے انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ 4 فروری 2007ء کو حکومت اور علماء کے درمیان ہونے والے معاہدے کو طالبات نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ مذاکرات براہ راست ہم سے کئے جائیں۔ 13 فروری 2007ء کو حکومت نے مسجد امیر حمزہ کی تعمیر شروع کرادی۔ جس کا سنگ بنیاد وفاقی وزیر اعجاز الحق نے رکھا۔ اس موقع پر جامعہ حفصہ کی طالبات نے لائبریری کھولنے کا اعلان کر دیا۔ 11 مارچ 2007ء لال مسجد کے طلباء کے خلاف تھانہ آپارہ میں اشتعال انگیز پمفلٹ تقسیم کرنے پر پرچہ درج ہو گیا۔ 28 مارچ 2007ء کو جامعہ حفصہ کی طالبات نے جی سکس کی رہائشی آئی ٹیم پر بدکاری کا اڈا چلانے کا الزام لگا کر اس کے سمیت اس کی بہو، بیٹی کو بھی اغواء کر کے جامعہ حفصہ میں ریغمال بنا لیا۔ پولیس نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے مدرسہ کی 4 معلمات کو گرفتار کر لیا۔ طالبات نے کارروائی کرتے ہوئے 2 پولیس اہلکار گاڑی سمیت اغواء کر لئے۔ رات گئے تک انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات کے بعد 4 معلمات کے بدلے 2 پولیس اہلکاروں کو رہا کر دیا گیا۔ 29 مارچ کو توبہ کرنے پر ریغمال بنائی گئی آئی ٹیم اس کی بہو، اور بیٹی کو رہا کر دیا گیا۔ جو نامعلوم مقام پر

منتقل ہو گئی۔ 31 مارچ 2007ء کو حکومت نے جامعہ حفصہ کے خلاف آپریشن ”لال دین“ کی منظوری دی۔ لیکن یہ آپریشن نہیں کیا گیا جسے جامعہ حفصہ کے منتظمین اور طالبات نے حکومت کی کمزوری سمجھا ان کے رویے میں مزید شدت آگئی۔ 31 مارچ 2007ء کو ہی مولانا عبدالرشید نے اسلام آباد میں ویڈیو سی ڈیز کا کاروبار کرنے والوں کو کاروبار تبدیل کرنے کی صورت میں معاوضہ دینے کی پیشکش کی۔ 2 اپریل 2007ء کو جامعہ حفصہ کے خلاف کارروائی کے لئے رینجرز اور پولیس کے دستوں کو تیاری کا حکم دیا گیا۔ 3 اپریل 2007ء کو جامعہ حفصہ کی طالبات نے آپارہ اور میلوڈی مارکیٹ میں فحاشی مکاؤ آپریشن کیا۔ درجنوں ڈنڈا بردار خواتین کو دیکھ کر دکاندار خوفزدہ ہو گئے۔ 6 مارچ 2007ء کو مولانا عبدالعزیز نے مرکزی جامع مسجد میں جمعہ کے اجتماع اور نفاذ شریعت کانفرنس کے موقع پر 10 مفتیان پر مشتمل شرعی عدالت قائم کر کے نفاذ شریعت کا اعلان کر دیا۔ حکومت کو برائیاں ختم کرنے کے لئے ایک ماہ کی ڈیڈ لائن دے دی۔ حکومت کی جانب سے کارروائی کرنے کی صورت میں فدائی حملوں کی دھمکی بھی دی۔ 8 مارچ 2007ء کو مسلم لیگ (ق) کے صدر چوہدری شجاعت اچانک رات کے وقت وفد کے ہمراہ لال مسجد پہنچ گئے اور رات گئے تک مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید سے بات چیت کر کے لوٹے۔ 9 اپریل 2007ء کو حکومت نے جامعہ حفصہ کے خلاف آپریشن کرنے سے قبل معاملہ بات چیت کے ذریعے حل کرنے کے لئے چوہدری شجاعت کو ذمہ داری سونپ دی۔ 10 اپریل 2007ء کو مولانا عبدالرشید نے اعجاز الحق کے اس دعوے کو جھٹلا دیا کہ انہوں نے انہیں دہشت گردی کے مقدمے سے نکلوایا تھا بلکہ کہا کہ اس مقدمے میں میرا نام تھا ہی نہیں۔ اسی روز چوہدری شجاعت دوبارہ لال مسجد گئے۔ جہاں بات چیت میں مثبت پیش رفت ہوئی۔ 12

اپریل 2007ء کو یہ خبر گردش کرنے لگی کہ جامعہ حفصہ کے خلاف آپریشن کے لئے ڈی آئی جی کو آپریشنل کمانڈر مقرر کر دیا گیا ہے۔ جس کی نگرانی انسپکٹر جنرل اسلام آباد افتخار احمد چوہدری کریں گے۔ 13 اپریل 2007ء کو مولانا عبدالرشید نے اعلان کیا کہ چوہدری شجاعت سے مذاکرات کے اختتام تک شرعی عدالت غیر فعال رہے گی۔ 16 اپریل 2007ء کو فوجی ہیلی کاپٹر نے نیچی پرواز کرتے ہوئے جامعہ حفصہ کے اندر کی ویڈیو بنائی اور گیس پھینکی جس پر مولانا عبدالعزیز نے کہا کہ ایسے حالات میں مذاکرات نہیں ہو سکتے۔ جبکہ چوہدری شجاعت نے کہا کہ خفیہ ہاتھ رکاوٹ ڈال رہے ہیں لیکن یہ کسی نے نہیں بتایا کہ وہ خفیہ ہاتھ کس کے ہیں اور معاملے کے حل کے لئے جاری مذاکرات کو کیوں سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں۔ 17 اپریل 2007ء کو حکومت نے اسلام آباد میں منہدم کی جانے والی مساجد کو شایان شان طریقے سے تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ 22 اپریل کو یہ بات سامنے آئی کہ جنرل پرویز مشرف نے بعض غیر ملکیوں کی شکایات پر جامعہ فریدیہ کو ایف سیون سے کہیں اور منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کسی وقت جنرل پرویز مشرف اس مدر سے میں آتے رہے ہیں ان کے والد طلباء کے لئے کھانا بھی بھجواتے رہے ہیں۔ اس بات سے دونوں بھائی مزید تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ 22 اپریل 2007ء کو ہی لال مسجد کی انتظامیہ نے جہلم کی دو بہنوں کا کیس جن سے ایک بااثر شخص نے زیادتی کی تھی حکومت کے سامنے کارروائی کے لئے ٹیسٹ کیس کے طور پر رکھ دیا۔ 24 اپریل کو چوہدری شجاعت نے دونوں بھائیوں سے 2 گھنٹے کی طویل ملاقات کی اور اعلان کیا کہ لال مسجد میں کوئی دہشت گرد نہیں ہے اور معاملات طے پا گئے۔ جس سے قومی اسمبلی کو آگاہ کروں گا۔ 25 اپریل 2007ء کو وزیراعظم شوکت عزیز نے اعتراف کیا کہ جامعہ حفصہ کا معاملہ حل کی طرف بڑھ رہا ہے جبکہ

چوہدری شجاعت نے کہا کہ ہم نے ان کے اور انہوں نے ہمارے مطالبات مان لئے ہیں۔ 27 اپریل 2007ء کو مولانا عبدالعزیز نے اعلان کیا کہ جب تک شریعت کا نفاذ نہیں ہوتا۔ چلڈرن لائبریری پر ہمارا قبضہ رہے گا۔ حکومت شریعت کا نفاذ کرتی ہے تو لائبریری کے ساتھ ساتھ جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ بھی دے دیں گے اور اگر حکومت نے فحاشی کے اڈے ختم نہ کئے تو ہم کر دیں گے۔ 30 اپریل کو جامعہ حفصہ کی ویب سائٹ بند کر دی گئی لیکن طالبات کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے حکومت نے فحاشی کے اڈوں کے خلاف لسٹوں کی تیاری شروع کر دی۔ 2 مئی 2007ء کو حکومتی نمائندوں اور جامعہ حفصہ کے منتظمین اور گرائی جانے والی مساجد کے اماموں کے درمیان مساجد کی دوبارہ تعمیر پر اتفاق ہو گیا لیکن 3 مساجد کی تعمیر پر اتفاق نہ ہو سکا۔ 4 مئی 2007ء کو جمعہ کے خطبہ میں لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز نے اعلان کیا کہ اگر ایجنسیوں نے طلبہ کو اغواء کرنے کا سلسلہ بند نہ کیا تو ایجنسیوں کے اہلکاروں کو پکڑ لیں گے۔ 7 مئی 2007ء کو چوہدری شجاعت نے ایک مرتبہ پھر لال مسجد کے دورے کے بعد اعلان کیا کہ معاملات طے پا گئے ہیں۔ جنہیں خفیہ ہاتھ سبوتاژ نہیں کر سکے گا۔ جبکہ مولانا عبدالرشید نے ہنگامی پریس کانفرنس کرتے ہوئے چیف جسٹس کی بحالی کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ مشرف نے ایمر جنسی نفاذ کر کے مارشل لاء لگانے کا منصوبہ بنا لیا ہے۔ 11 مئی 2007ء کو لال مسجد کی انتظامیہ نے جمعہ کے اجتماع کے موقع پر شرعی نظام کا 20 صفحات پر مشتمل عملی خاکہ جاری کر دیا۔ 16 مئی 2007ء کو مولانا عبدالعزیز نے اعلان کیا کہ حکومت نے شہید مساجد کی تعمیر کا وعدہ پورا نہیں کیا لہذا مذاکرات کا عمل ختم کیا جاتا ہے جبکہ جہاد کے لئے جلد لائحہ عمل کا اعلان کیا جائے گا۔ 17 مئی 2007ء کو وفاقی وزیر سیمرا ملک، وزیر مملکت انیسہ ذیب، طاہر خیل اور یاقوت جمیل الرحمن رات

کے وقت اچانک جامعہ حفصہ میں پہنچ کر طالبات سے بات چیت کی اور جامعہ کے مختلف حصے دیکھنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جامعہ حفصہ میں کوئی اسلحہ نہیں ہے۔ 18 مئی 2007ء لال مسجد کے طلباء نے 4 پولیس اہلکار سب انسپکٹر اور نگزیب تھانہ بارہ کہو، ہیڈ کانسٹیبل ارشاد، کانسٹیبل محمد جہانگیر اور یاسر کو ریغمال بنالیا۔ پولیس نے لال مسجد کی انتظامیہ کے خلاف مقدمہ درج کر کے ایف آئی آر سیل کر دی ہے۔ جامعہ حفصہ کے منتظمین اور انتظامیہ کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ منتظمین نے انسداد دہشت گردی کی عدالت میں ان کے طلباء کے کیس میں پولیس کے پیش نہ ہونے کا مطالبہ کر دیا ہے تاکہ طلباء کی ضمانت ہو سکے۔ 20 مئی 2007ء لال مسجد کی انتظامیہ نے پولیس کی جانب سے 4 طلباء کی ضمانت کی مخالفت نہ کرنے پر 2 پولیس اہلکاروں کو رہا کر دیا ہے۔ 24 مئی 2007ء خیر سگالی کے طور پر طلباء نے مزید دو پولیس اہلکاروں کو رہا کر دیا۔ 25 مئی 2007ء مولانا عبدالعزیز نے جمعہ کے اجتماع میں مطالبہ کیا کہ فحاشی کے اڈے بند کئے جائیں ورنہ طلباء ویڈیو سنٹروں، مساج سنٹروں کے مالکان کو پکڑیں گے اور شرعی سزائیں دیں گے۔ جون کے مہینہ میں حکومت اور جامعہ حفصہ کے درمیان کشمکش میں کمی رہی لیکن اچانک 23 جون کو جامعہ حفصہ کی طالبات نے مساج سنٹر چلانے والی چینی خواتین سمیت 9 افراد کو اغواء کر کے جامعہ حفصہ میں ریغمال بنالیا۔ گو طالبات نے 24 جون 2007ء کو چینی خواتین کو چھوڑ دیا لیکن اسی روز سے ہر پاکستانی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اب کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے اور وہ کچھ نہ کچھ 3 جولائی 2007ء سے شروع ہو گیا۔

آپریشن سائلینس

اسلام آباد کی لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف آپریشن سائلینس 3 جولائی 2007ء کو شروع کیا گیا۔ آپریشن کے آغاز سے اختتام تک سپیشل سروسز گروپ، رینجرز، وفاقی پولیس اور دیگر سکیورٹی فورسز کے کم و بیش 10 ہزار کے قریب اہلکاروں نے کسی نہ کسی صورت حصہ لیا۔ آپریشن جس طرح شروع ہوا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمینی حقائق کو مد نظر رکھے بغیر محض اندازوں پر ہی کارروائی شروع کی گئی کیونکہ 3 جولائی کو

جس طرح رینجرز نے جامعہ حفصہ کے طلباء کی جانب سے کی جانے والی کارروائی کا جواب دیا جس کے نتیجہ میں طلباء کی جوانی فائرنگ سے رینجرز کا ایک اہلکار ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے رینجرز نے بغیر حکمت عملی طے کئے گینگ وار کی طرح جامعہ حفصہ کے طلباء کو لیا جس کے نتیجے میں پہلے روز 12 جانیں ضائع ہوئیں اور درجنوں لوگ زخمی ہو کر ہسپتال پہنچے دوسرے روز جامع مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز کو ان کے با اعتماد آدمی کے ذریعے یہ کہہ کہ چکالہ ایڑ بیس پر خانہ کعبہ کے امام اپنے طیارے میں موجود ہیں۔ آپ مسئلے کے حل کے لئے ان سے بات کریں۔ اگر معاملہ حل ہو جائے تو آپ واپس جامعہ حفصہ آجائیے گا ورنہ وہیں سے جہاں چاہئے گا چلے جائیں۔ آپ کو کوئی نہیں روکے گا لیکن بھیس بدل کر مسجد سے نکلیں تاکہ آپ کے باہر نہ کا شور نہ پڑے اور ہمیں مجبوراً آپ کو گرفتار کرنا پڑ جائے اور پھر انہیں برقعہ میں گرفتار کر کے ان کی جو تذلیل کی گئی اس سے مفاہمت کے راستے بند ہونا شروع ہو گئے اور آپریشن سائلنس ”خونی“ آپریشن میں بدلنا شروع ہو گیا۔ تیسرے روز جانی نقصان کم از کم ہونے کے مذاکرات کا راستہ اختیار کرنے اور ساتھ ساتھ آپریشن جاری رکھنے کی حکمت عملی اپنائی گئی لیکن لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا محاصرہ اس امید پر سخت کیا گیا کہ چند روز میں اسلحہ اور کھانے پینے کی اشیاء ختم ہونے مسجد اور مدرسے کا پانی، بجلی اور گیس بند ہونے کی وجہ سے مدرسے کی انتظامیہ اور طلباء ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ہزاروں طلباء و طالبات نے ہتھیار بھی پھینکے اور خود رو حکام کے حوالے بھی کیا لیکن جہاد کا نعرہ لگانے والوں کے حوصلوں میں کوئی دراڑ نہ پڑی بلکہ ان میں مزید مضبوطی آئی جس کے بعد جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب بڑا آپریشن کرنے کی

کوشش کی گئی لیکن بارش ہونے کی وجہ سے بڑا آپریشن ممکن نہ ہو سکا۔ اس کے باوجود جامعہ حفصہ کے بیرونی حصوں میں دھماکے کئے گئے۔ دوسری جانب جاسوس طیاروں سے جامعہ حفصہ کی لی جانے والی تصاویر سے بھی سیکیورٹی فورسز کے حکام کو اندازہ ہو گیا کہ جیسا وہ سوچ رہے تھے حالات ویسے نہیں ہیں۔ جس کے لئے پھر ایک مرتبہ مذاکرات کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور 9 جولائی کو دن بھر مختلف فوجی مولانا عبدالرشید غازی سے مذاکرات میں مصروف رہے۔ مذاکرات کی ناکامی کے بعد زمینی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے 10 جولائی کی صبح 4 بجے انتہائی طاقتور آپریشن کیا گیا جس میں بھاری اسلحہ بھی استعمال کیا گیا اور سپیشل سروسز گروپ کے کمانڈوز نے جامعہ حفصہ کے اندر گھس کر کارروائی اور اس خون آشام آپریشن میں عبدالرشید غازی کو مارنے کے بعد کامیابی حاصل کر لی۔ اس طرح آپریشن سائینس 4 مراحل میں مکمل ہوا۔ پہلا محاصرہ اور ہتھیار ڈالنے کی ڈیڈ لائنز دینے کا بولی طریقے کا مرحلہ۔ دوسرا بریج لانچ کا مرحلہ جس میں جامعہ حفصہ کی بیرونی دیواروں میں شگاف ڈالے گئے اور آخر میں ہٹ ٹارگٹ اور سرچ آپریشن کیا گیا حکومت اور سیکیورٹی فورسز کی آخری وقت تک یہی خواہش تھی کہ کم سے کم خون بہنے لیکن اس کے باوجود سیکیورٹی فورسز، صحافیوں، راہگیروں، طلباء اور مزاحمت کاروں کی بڑی تعداد میں جانیں چلی گئیں۔



3 جولائی 2007ء

آپریشن سائینس 3 جولائی سے 10 جولائی

وفاقی پولیس، ایلیٹ فورس اور رینجرز نے 3 جولائی 2007ء کو لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے گرد گھیراؤ کرنے کے لئے صبح سے ہی تیاریاں شروع کر دیں تھیں۔ صبح ساڑھے سات بجے اسلام آباد کے تین بڑے ہسپتالوں، پمز، پولی کلینک اور سی ڈی اے ہسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی۔ وفاقی پولیس اور ایلیٹ فورس نے رینجرز کی سربراہی میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے گرد گھیراؤ کرنا شروع کیا۔ رینجرز جی 6 کے پورے علاقے میں پھیل گئی۔ ساڑھے گیارہ بجے پولیس والے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے سامنے راستوں پر خاردار تاریں بچھا رہے تھے۔ جامعہ حفصہ کے طلباء نے انہیں روکنے کے لئے 5 اہلکاروں کو تشدد کا نشانہ

بنایا اور 4 سرکاری رائفلیں چھین لی جبکہ جامعہ حفصہ کی طالبات مدرسے سے باہر نکل آئیں اور رینجرز والوں کے خلاف نعرے بازی شروع کر دی۔ رینجرز والوں نے طلباء و طالبات اور جامعہ حفصہ پر آنسو گیس کے شیل برسانا شروع کر دیئے جس سے طالبات کی بڑی تعداد بے ہوش ہو گئی اور طالبات مدرسہ کے اندر چلی گئیں۔ طلباء مورچہ زن ہو گئے۔ 12 بجے رینجرز نے جامعہ حفصہ کی طرف آنے والے تمام راستے سیل کر دیئے۔ اسی دوران فائرنگ شروع ہو گئی۔ اسی فائرنگ کے دوران ڈی آئی جی رینجرز کے ساتھ ڈیوٹی دینے والے نارووال کے رہائشی رینجرز کے لانس نائیک مبارک حسین کے سینے میں گولی لگی۔ جسے فوری طور پر پولی کلینک ہسپتال پہنچایا گیا آپریشن کے باوجود اس کی جان نہ بچ سکی۔ 1 بجے سرکاری دفاتر خالی ہونا شروع ہو گئے۔ طلباء نے وزارت ماحولیات کے دفتر کی عقبی دیوار گرا کر دفتر کی عمارت، اس سے ملحقہ اسٹیٹ آفس، سی بی آر کے سابقہ دفتر اور لڑکیوں کے سکول میں توڑ پھوڑ کی عمارتوں کو آگ لگا دی اور وزارت ماحولیات کی عمارت میں پٹرول بم پھینکے جس سے 15 گاڑیوں کو آگ لگ گئی۔ گاڑیوں کی ٹینکیوں کے دھماکوں کے ساتھ پھٹنے سے یوں لگا جسے خودکش حملہ ہو گیا۔ جامعہ حفصہ کی انتظامیہ نے بھی انہیں خودکش حملہ کہا۔ وقفے وقفے سے دونوں جانب سے فائرنگ کا سلسلہ چلتا رہا دو طرفہ فائرنگ میں رینجرز کے اہلکار کے علاوہ، صحافی جاوید، رفیع اللہ تاجر امریز، غلام محمد، طالب علم محمد رفیق مزدور اعجاز حسین، محمد طلحہ، فیاض، طالب حسین، اعجاز اور ایک ازبک باشندہ گولیاں لگنے سے ہلاک ہو گئے۔ ان میں جامعہ حفصہ کے 5 طلباء بھی شامل تھے۔ ان کی لاشیں کیٹل ہسپتال، پمز اور پولی کلینک ہسپتالوں میں پہنچائی گئی۔ پولیس اہلکار رب نواز آفتاب، سی این بی سی کے کیمرہ مین اسرار احمد، دی پوسٹ کے کیمرہ مین وہاب احمد، بزنس پلس کے

کیمرہ مین قدیر، روزنامہ ایکسپریس کے کیمرہ مین راجہ ظفر، اے آر وائی کے نمائندہ عمران اور جیو چینل کے بیورو چیف البصار عالم سمیت طلباء و طالبات اور دیگر لوگ زخمی ہو گئے۔ جنہیں ایسبولینسوں میں ڈال کر تینوں ہسپتالوں میں پہنچایا گیا۔ 1 بج کر 30 منٹ پر آپارہ، میلوڈی مارکیٹوں کے علاوہ دوسری مارکیٹیں بھی بند کرادی گئی۔ گولیس کی تڑتڑاہٹ کی وجہ سے جی 6 کے مکین گھروں میں قید ہو کر رہ گئے۔ جب فائرنگ کا سلسلہ بڑھتا گیا تو مکینوں نے محفوظ مقامات کی طرف نقل مکانی شروع کر دی۔ دوپہر کے وقت شعبہ فائر بریگیڈ نے وزارت ماحولیات کی عمارت میں لگائی جانے والی آگ بجھانے کے لئے تین فائر ٹینڈرز، ایک سٹارکل اور ایک ایسبولینس بھیجی۔ طلباء نے فائر بریگیڈ کی گاڑیوں پر پتھراؤ شروع کر دیا اور انہیں آگ بجھانے کے لئے وزارت ماحولیات کی عمارت تک جانے سے روک دیا۔ جبکہ سکیورٹی فورسز کے اہلکار سب کچھ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ پونے تین بجے لال مسجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے جہاد کا اعلان کیا گیا اور کہا گیا کہ سکیورٹی فورسز نے نصف گھنٹے کے اندر اپنی کارروائی بند نہ کی تو ملک بھر میں فدائی حملے شروع ہو جائے گے۔ اسی دوران اسلام آباد کے مختلف تھانوں سے پولیس کی نفری آپارہ تھانے طلب کر لی گئی اور پنجاب کانسٹیبلری کی 4 پلاٹون بھی لال مسجد کی طرف چل پڑیں۔ جامعہ حفصہ کے فائرنگ کرنے والے طلباء نے گیس ماسک پہن رکھے تھے جبکہ بعض طلباء نے جمیعت علمائے اسلام کے جھنڈے منہ پر لپیٹ رکھے تھے۔ سہ پہر 3 بجے کے قریب ایم ایم اے کے رکن قومی اسمبلی مولانا شاہ عبدالعزیز ڈپٹی کمشنر اسلام آباد محمد علی کے ساتھ بات چیت کر کے مسئلہ کے حل کے لئے لال مسجد کی انتظامیہ سے بات چیت کرنے کے لئے مسجد کے اندر چلے گئے۔ انہوں نے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے طلباء سے فائرنگ بند کرنے کی اپیل کی جس پر دونوں طرف

سے فائرنگ کا سلسلہ بند ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز ابھی مسجد میں تھے کہ فائرنگ کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا اور مذاکرات ناکام ہو گئے۔ دوطرفہ فائرنگ کے دوران مسجد کے لاؤڈ اسپیکروں پر جہادی ترانے گونجتے رہے۔ مسجد اور جامعہ حفصہ کے اندر سے اللہ اکبر اور الجہاد الجہاد کی آوازیں آتی رہی۔ شام سے قبل جی 6 کے مکینوں نے میلوڈی چوک پر اکٹھے ہو کر انتظامیہ کے خلاف نعرے بازی کی اور لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف رینجرز کی کارروائی کو بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ دوسری جانب آپارہ مارکیٹ کے دکاندار تاجر کی ہلاکت کا ذمہ دار پولیس، رینجرز اور جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کو ٹھہراتے ہوئے بھر گئے۔ مسجد اور جامعہ کے خلاف فائرنگ کا سلسلہ فوری طور پر بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ رینجرز اور پولیس کو میلوڈی چوک میں مظاہرین کو منتشر کرنے کے لئے مجبوراً آنسو گیس کا استعمال کرنا پڑا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جامعہ حفصہ کے طلباء اور سکیورٹی فورسز کے درمیان دن ساڑھے گیارہ بجے سے شروع ہونے والا تصادم شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی انتظامیہ طلباء اور سکیورٹی فورسز کے درمیان ہونے والے تصادم کے وقت وزارت داخلہ سمیت ضلعی انتظامیہ کی اہم شخصیت وفاقی دارالحکومت میں موجود نہ تھی۔ لہذا کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور کس کی نگرانی میں ہو رہا ہے؟ مسئلے کے حل کے لئے کسی طرف سے سنجیدہ کوششیں ہوتی ہوئی نظر نہیں آئیں۔ حکومت نے سیلاب زدہ علاقوں کے دورہ پر گئے ہوئے ایم ایم اے کے راہنما مولانا فضل الرحمن سے مسئلے کے لئے رابطہ کیا۔ وہ رات گئے اسلام آباد پہنچے ساڑھے 6 بجے شام انتظامیہ جی سکس کے علاقے کی بجلی بند کر دی۔ جس سے پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ رینجرز نے رات کے اندھیرے میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے منتظمین اور طلباء کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائی کرنے کے

پیش نظر ساڑھے 8 بجے رات ایک مرتبہ پھرتینوں بڑے ہسپتالوں کی انتظامیہ کو ہائی الرٹ کر دیا جس کے بعد زخمیوں اور داخل مریضوں کو جلدی جلدی ہسپتالوں سے فارغ کیا جانے لگا۔ زخمی اور مریضوں نے اپنے عزیز و اقارب کو فون کر کے گھروں سے بلوایا کہ انہیں ہسپتال سے آکر لے جائیں۔ ادھر رات کے اندھیرے میں وقفے وقفے سے دوطرفہ فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ رات گئے اس مسئلے کے حل کے لئے اعلیٰ سطحی اجلاس شروع ہوا۔ صدر جنرل مشرف کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں وزیراعظم شوکت عزیز، چودھری شجاعت، محمد علی درانی کے علاوہ کئی اہم شخصیات نے شرکت کی۔ جس میں ہونے والے فیصلے کے مطابق رات دو بجے سیکٹر جی سکس باؤنڈری سے 7 ایونیوسمیت شمالی مغربی باؤنڈری پر لقمان حکیم روڈ، جنوب مشرقی باؤنڈری پر سہروردی روڈ، شمال مشرقی باؤنڈری پر صدر روڈ کے علاقوں میں کرفیو لگا دیا گیا۔ یہ اعلان وفاقی وزیر اطلاعات محمد علی درانی، امور داخلہ کے وزیر مملکت ظفر وڑائچ، اطلاعات کے وزیر مملکت طارق عظیم نے منگل اور بدھ کی درمیانی شب 2 بجے ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں کیا۔ انہوں نے کرفیو کی خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ سختی سے نپٹنے کی ہدایت کی۔ بعد ازاں انہوں نے پہلی مرتبہ لال مسجد کی انتظامیہ کو ہتھیار ڈالنے کے لئے صبح 3 بج کر 30 منٹ کی ڈیڈ لائن دی اور ہتھیار پھینکنے والوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہ کرنے کا اعلان کیا۔

4 جولائی 2007ء

4 جولائی 2007ء صبح ساڑھے تین بجے حکومت کی جانب سے لال مسجد کے منتظمین کو ہتھیار پھینکنے کی دی جانے والی ڈیڈ لائن ختم ہونے سے قبل ہی ڈیڈ لائن میں اضافہ کر دیا گیا جبکہ حکومت کی جانب سے لاؤڈ سپیکروں پر اعلان شروع ہو گیا کہ ہتھیار پھینکنے والوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ انہیں ان کے گھروں کو بھیج دیا جائے۔ مسجد سے باہر آنے والوں کو 5 ہزار روپے دیئے جانے کا اعلان بھی کیا گیا جس کے بعد طلباء و طالبات کے مسجد سے نکل کر خود کو سیورٹی فورسز کے حوالے کئے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رینجرز والے طلباء و طالبات کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آئے اور انہیں صرف اپنے نام پتے اور فنگر پرنٹس دینے کی صورت میں ان کے والدین کے ساتھ جانے دیا گیا جبکہ طلباء کو ضروری پوچھ گچھ کے لئے روک لیا گیا۔ طالبات کو ان کے والدین کے ساتھ روانہ کرنے کے لئے آپارہ بس اسٹینڈ پر 20 گاڑیوں کا بندوبست کیا گیا جبکہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے گرد حصار مزید

سخت کر دیا گیا پورے علاقے میں 10 ہزار جوانوں کی تعیناتی عمل میں لائی گئی جن میں فوج کے علاوہ پولیس، رینجرز، ایلیٹ فورس، انسداد دہشت گردی فورس اور پنجاب پولیس کے جوان شامل تھے۔ صبح آٹھ بجے مولانا عبدالعزیز برقعہ میں 6 خواتین کے ہمراہ مسجد سے باہر آئے۔ ٹریفک پولیس کی اہلکار خواتین جن میں کانسیبل سمیرا بتول، ثمنہ خالد، شازیہ، یاسمین چوہدری، انیلہ الطاف اور طاہرہ جعفر شامل تھیں۔ یہ اہلکار جامعہ حفصہ سے نکلنے والی طالبات کی تلاشی لینے پر مامور تھیں۔ جب ساتویں خاتون کی تلاشی لینے لگی تو باقی 6 خواتین نے ان کانسیبلوں کے گرد گھیرا بنا لیا اور شور ڈالنا شروع کر دیا کہ یہ ہماری آنٹی ہیں۔ ان کی تلاشی نہ لی جائے جس پر کانسیبل خاتون کو شک گزرا اور وہ تلاشی لینے پر بضد ہو گئی تلاشی لینے پر انکشاف ہوا کہ عورت نہیں بلکہ مرد ہے۔ کانسیبل خواتین نے شور مچایا تو قریب کھڑے رینجرز اہلکاروں افضل اور اصغر نے آگے بڑھ کر مولانا عبدالعزیز کو دبوچ لیا اور چہرہ سے نقاب ہٹا دیا اور اسسٹنٹ کمشنر رانا اکبر حیات نے انہیں گرفتار کر لیا۔ انہیں فوری طور پر ایک قریبی عمارت میں لے جایا گیا۔ جہاں پر ان سے ابتدائی بات چیت کرنے کے بعد انسپٹر جنرل پولیس چوہدری افتخار کی گاڑی میں بیٹھا کرنا معلوم مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ اسلام آباد میں 10 بجے وزیراعظم شوکت عزیز کی سربراہی میں کابینہ کا اجلاس ہوا جو بغیر وقفے کے اڑھائی بجے تک جاری رہا۔ جس میں دیگر امور کے علاوہ لال مسجد کے خلاف کارروائی کرنے سے پیدا شدہ صورتحال پر غور کی جانے والی کارروائی پر وزیراعظم شوکت عزیز نے اطمینان کا اظہار کیا اور لال مسجد کے مسئلے کے پُر امن حل کے لئے مولانا فضل الرحمن کے ذریعے لال مسجد کی انتظامیہ سے مذاکرات کی حمایت کی۔ کرفیو کی خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ سکیورٹی فورسز نے سخت رویہ اپنایا۔ کرفیو کی خلاف ورزی

کرنے والوں کے خلاف فائرنگ سے ایک مزدور ہلاک اور دوسرے کاری ملازم زخمی ہو گئے جبکہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں مورچہ بند طلباء اور سکیورٹی فورسز کے درمیان وقفے وقفے سے فائرنگ کا سلسلہ بھی چلتا رہا اور مسجد اور مدرسے سے طلباء و طالبات گروپوں کی شکل میں باہر آ کر خود کو سکیورٹی فورسز کے حوالے کرتے رہے۔ حکومت کی جانب سے لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے مسجد اور مدرسہ کے اندر موجود طلباء و طالبات کو سرنڈر کرنے کی ترغیب دی جاتی رہی جبکہ مسجد کے اندر سے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے جہادی ترانوں اور الجہاد الجہاد کی آوازیں آتی رہیں۔ مولانا عبدالعزیز کی گرفتاری کے بعد مولانا عبدالرشید کے روئے میں بھی نرمی آئی اور انہوں نے مولانا فضل الرحمن اور چوہدری شجاعت سے فون پر رابطہ کر کے چند شرائط پر ہتھیار پھینکنے پر آمادگی ظاہر کر دی لیکن حکومت نے ان کی یہ پیشکش مسترد کر دی اور غیر مشروط طور پر ہتھیار پھینکنے کو کہا۔ مولانا عبدالرشید غازی مختلف ٹی وی چینلز سے موبائل فون کے ذریعے رابطے کر کے اپنے رویے میں مزید لچک کا اظہار کرتے رہے لیکن انہوں نے کسی بھی صورت اپنی دو شرائط سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا۔ وہ بضد تھے کہ انہیں گرفتار نہ کیا جائے اور ان سے معاملات تیسرے فریق کے ذریعے کئے جائیں اور کہیں اور جانے دیا جائے۔ جہاں وہ اپنی زندگی گزار سکیں لیکن حکومت کا ایک ہی موقف تھا غیر مشروط ہتھیار پھینکیں اور قانونی کارروائی کا سامنا کریں۔ دن بھر دو طرفہ فائرنگ اور رینجرز کی جانب سے مسجد و مدرسے کے اندر شیلنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ 5 بجکر 20 منٹ پر رینجرز نے آنسو گیس کے بڑے گولے مدرسے اور مسجد میں برسائے جبکہ طلباء نے گشت کرنے والی پولیس کی دو گاڑیوں پر وقفے وقفے سے دو گرنیڈ پھینکے لیکن پولیس گاڑیاں ان کی زد میں آنے سے بچ گئی۔ 5 بجکر 35 منٹ پر ایک مرتبہ پھر شدید دو طرفہ

فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا جبکہ دن بھر فوج کے 5 کوبرا ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کرتے ہوئے مسجد اور مدرسے کی نگرانی میں مصروف رہے۔ شام 7 بجے 300 طالبات مسجد سے باہر آئیں جنہوں نے خود کو سکیورٹی فورسز کے حوالے کر دیا۔ اس روز مجموعی طور پر 1500 کے قریب طلباء و طالبات مسجد سے باہر آئے اور خود کو رینجرز کے حوالے کیا۔ جن میں 450 طلباء کو اڈیالہ اور ڈسٹرکٹ جیل جہلم بھیج دیا گیا جبکہ ایسی طالبات جن کے والدین یا عزیز واقارب انہیں لینے کے لئے آئے تھے انہیں ان کے ساتھ بھیج دیا گیا اور جنہیں کوئی لینے کے لئے نہیں آیا تھا مدینہ الحجاج کے ہاسٹل بھیج دیا گیا۔ وفاقی وزیر مذہبی امور اعجاز الحق نے گرفتار مرکزی لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز سے نامعلوم مقام پر ملاقات کی۔ انتظامیہ نے 16 ایم پی او کے تحت ایم ایم اے کے ایم این اے میاں اسلم کو گرفتار کر کے اڈیالہ جیل بھیج دیا۔ کرفیو میں مغرب کے وقت آدھے گھنٹے کے لئے نرمی کی گئی اسی روز گرفتار مولانا عبدالعزیز کا انٹرویو ایک ٹی وی چینل سے نشر ہوا جس میں انہوں نے برقعہ پہنا ہوا تھا۔

5 جولائی 2007ء

آپریشن سائنس کا آغاز 4 اور 5 جولائی کی درمیانی شب سے ہو گیا تھا بکتر بند گاڑیوں نے رات کے اندھیرے میں لال مسجد کے اندر آنا جانا شروع کر دیا کہ صبح ساڑھے 3 بجے کے قریب لال مسجد سے بڑی تعداد میں دھماکوں کی آوازیں آئیں۔ جن سے پورا اسلام آباد لرز اٹھا ان دھماکوں کے جواب میں جامعہ حفصہ کے طلباء کی جانب سے شدید فائرنگ کی گئی اور اس وقت باقاعدہ ہلکی پھلکی بمباری ہو رہی تھی ان دھماکوں سے جامعہ حفصہ کا گیٹ اور عقبی دیوار تباہ ہو گئی اور لال مسجد کو بھی نقصان پہنچا۔ علی الصبح 87 افراد مسجد سے باہر آئے جنہوں نے خود کو انتظامیہ کے حوالے کر دیا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ایک عمر رسیدہ شخص کی لاش بھی لے کر آئے جسے ایمبولینس کے ذریعے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ لال مسجد کی انتظامیہ کو ہتھیار پھینکنے کے لئے دی جانے والی 12 بجے کی ڈیڈ لائن ختم ہونے پر دونوں طرف سے شدید فائرنگ کا تبادلہ ہوا اس فائرنگ کا سلسلہ 2 گھنٹے تک جاری رہا۔ 1 بجکر 30 منٹ سے 3

بجکر 30 منٹ تک کرفیو میں 2 گھنٹے کی نرمی کے وقفہ میں فائرنگ کا سلسلہ کچھ کم ہوا۔ فائرنگ میں وقفے کے دوران جامعہ حفصہ سے 12 طلباء کا گروپ باہر نکلا ان کے ہمراہ 2 بچے بھی تھے۔ انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ اسی دوران 8 طلباء کو سکیورٹی فورسز کے اہلکاروں نے گرفتاری نہ دینے کی کوشش اور مزاحمت کرنے پر گرفتار کر لیا۔ 2 بجکر 15 منٹ پر مزید 150 طلباء نے ہتھیار ڈال کر خود کو سکیورٹی فورسز کے حوالے کر دیا۔ اسی دوران مولانا عبدالرشید لال نے مسجد کے باعزت حل کے لئے او آئی سی کے نمائندے سے فون پر رابطہ کیا۔ جس پر او آئی سی کے مبصر نے کوئی کردار ادا کرنے سے معذوری ظاہر کر دی سہ پہر 4 بجے سخت حفاظتی انتظامات میں گرفتار لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز اور ان کی بیٹی طیبہ دعا کو انسداد دہشت گردی کی عدالت نمبر 2 کے جج سخی محمد کہوٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ مولانا عبدالعزیز کا چہرہ ڈھانپا گیا تھا اور ان کی بیٹی برقعہ میں تھیں۔ اس موقع پر میڈیا کے لوگوں کو دور رکھنے کے لئے انہیں بندوقوں کے بیٹوں اور لاتوں گھونسوں سے بھی پیٹا گیا۔ عدالت میں مارگلہ تھانہ کے ایس ایچ او نعیم اقبال نے عدالت میں درخواست دی کہ چینی خواتین کے اغواء کے سلسلے میں ان کے دیگر ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہے۔ لہذا انہیں 10 روز کے لئے ہماری تحویل میں دے دیا جائے۔ عدالت نے مولانا عبدالعزیز کا 7 روز کا ریمانڈ دے دیا اور ان کی بیٹی کے ریمانڈ کی درخواست مسترد کرتے ہوئے انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ آئندہ پیشی پر ملزمہ کی میڈیکل رپورٹ لانے کا بھی حکم دیا گیا۔ شام 6 بجکر 35 منٹ پر ایک مرتبہ پھر جامعہ حفصہ کے قریب دھماکوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ فوج کے ترجمان میجر جنرل وحید ارشد نے ان باتوں کی تردید کی کہ جامعہ حفصہ پر کئے جانے والے حملوں میں ڈی مارٹر شیل استعمال کئے گئے۔ انہوں نے کہا کہ

جامعہ حفصہ کے گیٹ پر دھماکہ گیٹ توڑنے کے لئے کیا گیا تاکہ سکیورٹی فورسز آسانی سے مدرسہ کے اندر داخل ہو سکیں رینجرز بٹالین کے کمانڈر کرنل نے دعویٰ کیا کہ ہمارے لئے جامعہ پر قبضہ کرنا کوئی مشکل نہیں یہ کام چند منٹوں میں ہو سکتا ہے لیکن ہم انسانی جانوں کو بچانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے آپریشن تھوڑی دیر کے لئے روک دیا گیا تاکہ طلباء اور طالبات کو سرنڈر کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے۔ عبدالرشید غازی نے الزام لگایا کہ مسجد پر مارٹر گولہ سے حملہ کیا گیا جس سے مدرسے کے اندر 27 طالبات ہلاک ہوئیں اور رینجرز کی فائرنگ سے چھتوں پر چاروں طرف قائم مورچوں میں موجود چاروں طلباء ہلاک ہو گئے ہیں۔ حکومت کی جانب سے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے اور گرفتاری دینے کے مطالبے کے بعد مولانا عبدالرشید نے بھی سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے مرتے دم تک مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا یوں رات بھر دو طرفہ فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا۔

6 جولائی 2007ء

6 جولائی 2007ء بروز جمعہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو محاصرے میں لینے والی سکیورٹی فورسز اور لال مسجد کے طلباء کے درمیان جنگی صورتحال رہی۔ دو طرفہ فائرنگ کی وجہ سے پہلی بار مرکزی جامع لال مسجد سے فجر کی اذان کی آواز نہیں آئی۔ صبح 4 بجے سکیورٹی اہلکاروں نے لال مسجد کی جانب پیش قدمی کی جامعہ حفصہ اور مسجد کی چھتوں سے ان پر شدید فائرنگ کے ساتھ ساتھ دستی اور پٹرول بموں سے حملہ کیا گیا اور فائرنگ کا یہ سلسلہ دن 12 بجے تک جاری رہا۔ 12 بجے 3 گھنٹے تک کرفیو میں نرمی کی وجہ سے دونوں جانب سے فائرنگ کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ صبح کے وقت مسجد سے نکلنے والے دو طالب علم سکیورٹی فورسز کی گولیوں کا شکار ہو کر موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ کرفیو میں نرمی کے وقت ایک مرتبہ پھر مسجد سے طلباء باہر نکلے اور انہوں نے خود کو حکام کے حوالے کر دیا۔ دن بھر میں 8 خواتین اور 23 افراد نے خود کو حکام کے حوالے کیا۔ صبح دس بجے صدر جنرل پرویز مشرف کا

خصوصی طیارہ تربت کے لئے اُڑا تو اصغر مال روڈ پر واقع مکان نمبر 1026 اے، 7 سے ان کے طیارہ پر ایک راکٹ فائر کیا گیا اور 5 منٹ تک فائرنگ کی جاتی رہی سکیورٹی فورس نے فوری طور پر اس گھر اور پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ گھر کی چھت سے 12.7 ملی میٹر کی ایک طیارہ شکن توپ 7.12 ملی میٹر کی ایک مشین گن قبضہ میں لے لی گئی۔ فوجی ترجمان نے صدر جنرل مشرف کے طیارے پر حملے کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ جو فائرنگ کی گئی وہ صدر کا طیارہ گزرنے کے کافی دیر بعد کی گئی تھی جبکہ لال مسجد کی انتظامیہ نے اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے مزید ایسی کارروائیوں کی دھمکی دی۔ کرفیو میں نرمی کے دوران جامعہ لال مسجد میں نماز جمعہ ادا کی گئی لیکن فائرنگ کے خوف کے باعث باہر سے کوئی نمازی مسجد میں نہیں گیا۔ اندر موجود ہی لوگوں نے نماز جمعہ ادا کی۔ کرفیو میں نرمی کے دوران جی 6 اور جی 7 میں چہل پہل تھی لوگوں نے گھروں سے نکل کر خریداری کی جبکہ بعض لوگ اس نرمی کا فائدہ اٹھا کر اپنی گاڑیوں سمیت کرفیو زدہ علاقوں سے نکل کر اپنے عزیز واقارب کی طرف چلے گئے۔ 1 بجکر 30 منٹ پر سکیورٹی فورسز نے بچوں کے 28 والدین کو جامعہ لال مسجد کے اندر جانے کی اجازت دے دی تاکہ وہ اپنے بچوں کو لے آئیں لیکن جیسے ہی والدین مسجد کے دروازے کے پاس پہنچے تو اندر موجود طلباء نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا اور واپس جانے کے لئے 5 منٹ کی مہلت دی جب والدین نے اپنے بچوں کو پکارا تو اندر سے فائرنگ کی گئی۔ جس پر والدین واپس آگئے کرفیو میں نرمی کی مہلت ختم ہوتے ہی پھر دو طرفہ فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شام کے وقت ایم ایم اے کے وفد نے مسئلے کے حل کے لئے مسجد کے اندر جانے کی کوشش کی وفد میں مولانا شاہ عبدالعزیز، سید بلال، سعید راجیل قاضی اور ڈاکٹر کوثر شامل تھیں۔ مولانا عبدالرشید غازی نے یہ کہہ

کر ملنے سے انکار کر دیا کے مذاکرات کے لئے یہ وقت ٹھیک نہیں ہے۔ وفد کو بتایا گیا کہ سکیورٹی کے پیش نظر مغرب سے نماز فجر تک کسی سے ملاقات نہیں کی جاتی۔ شام 6 بجکر 30 منٹ پر جامعہ حفصہ کے قریب شدید دھماکہ کی آواز سنی گئی جس کے بعد یکے بعد دیگرے 3 دھماکوں کی آوازیں آئیں جس سے جامعہ حفصہ کے اطراف گھروں اور دفاتر کے شیشے ٹوٹ گئے جس کے بعد سکیورٹی فورسز کی جانب سے مسجد کے اندر فائرنگ کی گئی لیکن اندر سے کسی قسم کی جوابی فائرنگ نہیں کی گئی۔ رات 1 بجکر 15 منٹ پر پھر جامع حفصہ میں دھماکہ ہوئے جن سے دھوئیں کے بادل چھا گئے اور جامع حفصہ کے ایک حصہ میں آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے بعد جامعہ حفصہ کے اطراف میں دو طرفہ فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

7 جولائی 2007ء

ہفتہ 7 جولائی 2007ء جامعہ حفصہ کے خلاف سکیورٹی فورسز کی کارروائیوں کے حوالے سے انتہائی گرم دن تھا۔ کیونکہ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب سے ہی جامعہ حفصہ کے قریب اور اندر سے دھماکوں کی آوازیں راولپنڈی تک سنائی دیں۔ صبح 8 بجے سے 9 بجے تک کرفیو میں نرمی کی گئی۔ صحافیوں کو جامعہ حفصہ کے قریب نہیں آنے دیا گیا۔ انہیں کورڈ مارکیٹ کے قریب ہی روک دیا گیا۔ دوپہر کے وقت جامعہ حفصہ میں سات منٹ کے اندر 12 دھماکوں کی آوازیں آئیں۔ سہ پہر اڑھائی بجے سے 4 بجکر 30 منٹ پر پھر کرفیو میں نرمی کی گئی۔ اسی دوران دونوں جانب سے فائرنگ میں نرمی رہی اس دوران 8 طلباء و طالبات نے خود کو حکام کے حوالے کیا جن میں دو طالبات تھیں۔ جامعہ حفصہ کے 3 کلومیٹر کے اندر رہائشیوں کو چھتوں پر چڑھنے سے روک دیا گیا اور گھروں کی کھڑکیاں دروازے بند کرنے کی ہدایت کی گئی۔ بلیو ایریا کے سامنے جی 6 کے کلیم روڈ کو کرفیو سے مستثنیٰ

قرار دیا گیا جبکہ جامعہ غوثیہ سے بھی رینجرز پر فائرنگ کی گئی لیکن رینجرز کے اہلکاروں نے کارروائی کرتے ہوئے یہاں سے 6 افراد کو گرفتار کر لیا۔ شام 5 بجے جامعہ حفصہ سے دو خواتین باہر آئیں اور انہوں نے خود کو حکام کے حوالے کر دیا۔ رات 8 بجے سے رات 10 بجے تک جامعہ حفصہ پر ہلکی گولہ باری کی گئی۔ رات 10 بجے مسجد کے قریب زوردار دھماکہ ہوا جس سے جی 6 کے مکانات کی کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ اسی روز مولانا عبدالعزیز کی اہلیہ ام احسان اور ان کا 22 سالہ بیٹا حسان زخمی ہوئے۔

8 جولائی 2007ء

ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب سکیورٹی فورسز نے جامعہ حفصہ کے خلاف بڑے پیمانے پر آپریشن شروع کر دیا۔ رات ایک بجے کے قریب سکیورٹی فورسز نے جامعہ حفصہ کا گیٹ توڑنے اور دیواروں میں شگاف ڈالنے کے لئے جامعہ کی دیواروں کے ساتھ بارود نصب کرنا شروع کر دیا۔ اس آپریشن کی نگرانی لیفٹیننٹ کرنل ہارون السلام کر رہے تھے۔ اسی نگرانی کے دوران فائرنگ کا نشان بن کر کرنل ہارون السلام شہید ہو گئے۔ ان کے ساتھ میجر طارق زخمی ہوئے۔ لال مسجد پر پتچی پرواز کرنے والے ہیلی کاپٹر پر لال مسجد کے اندر سے فائرنگ کی گئی مگر ہیلی کاپٹر بچ کر نکل گیا جبکہ جامعہ حفصہ کے اندر سے دھماکوں کی آوازیں آتی رہی ہیں اور ایک حصے کی چھت دھماکے کے ساتھ اڑ گئی بشمول میڈیا شاپ جس میں مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید کے خطبات اور دینی تعلیمات پر مبنی کتابیں آڈیو، ویڈیو سی ڈیز فروخت ہوتی تھیں صبح کے وقت چکالہ میں شہید ہونے والے کرنل ہارون السلام کی نماز جنازہ پورے پروٹوکول کے ساتھ پڑھائی گئی۔ دوپہر 10 بجے سے 12 بجے تک 2 گھنٹے کے لئے کرفیو میں نرمی کی گئی۔ 1 بجکر 15 منٹ پر

جامعہ حفصہ کے پاس شدید دھماکے ہوئے مولانا عبدالرشید غازی نے کہا کہ دھماکوں سے جامعہ حفصہ کے اندر 335 طلباء و طالبات ہلاک ہو گئے ہیں جن میں 310 طالبات اور 25 طلباء شامل ہیں۔ حکومت نے اس بات کی تردید کر دی سپورٹس کمپلیکس میں موجود 152 بچوں میں سے 40 بچے ان کے والدین کے حوالے کئے گئے۔ بچوں کو ایک قرآن پاک کا تحفہ دیا گیا۔ کرفیو کے دوران نرمی میں دو طلباء نذر حیات اور شاہ اکبر نے خود کو حکام کے حوالے کر دیا جبکہ نامعلوم افراد کی جانب سے رینجرز پر فائرنگ کی گئی جس سے رینجرز کے دو اہلکار زخمی ہو گئے۔ 5 بجے سے رات 7 بجے تک 2 گھنٹے کے لئے پھر کرفیو میں نرمی کی گئی۔ صحافیوں کی کورٹج پر پابندی لگائی گئی جو بعد میں ختم کر دی گئی اور میڈیا کے 121 افراد کی فہرست جاری کی گئی جنہیں سرنڈر پوائنٹ تک جانے کی اجازت دے دی گئی۔ کرنل ہارون اسلام کے قتل کا مقدمہ مولانا عبدالرشید غازی کے خلاف درج کیا گیا۔ جامعہ حفصہ کے خلاف جاری کارروائی پر غور اور اہم فیصلوں کے لئے شام کے وقت اعلیٰ سطحی اجلاس شروع ہوا جس میں بڑے پیمانے پر آپریشن کی منظوری دی گئی۔ مولانا عبدالرشید کا قریبی ساتھی مقصود اسی روز ہونے والی کارروائی میں ہلاک ہو گیا۔ سکیورٹی فورسز نے یہ کنفرم ہونے کے بعد کے جامعہ حفصہ میں جیش محمد اور حرکت الجہاد کے سرگرم جہادی موجود ہیں۔ آپریشن مزید تیز کر دیا۔ کرفیوزہ علاقوں میں حکومت کی جانب سے مفت راشن کی تقسیم شروع کی گئی جبکہ یوٹیلیٹی وینز کی تعداد 14 سے بڑھا کر 48 کر دی گئی۔ پرچون فروش، میڈیکل سٹوروں اور بنکوں کو کھولنے کی اجازت دے دی گئی۔

9 جولائی 2007ء

9 جولائی 2007ء، کاؤن لال مسجد کے مسئلے کے پُرانے ترین کے لئے احتجاجی
ایم رہا گو کہ اس روز قریب گزشتہ 6 روز کے مقابلے میں کم رہی ہیں، یہ وہ عود
دعا کوں کی آوازیں آتی رہیں اور 5 خطباء کے ہلاک ہونے کی خبر گردش کرتی رہی
۔ مولانا عبدالرشید سے مذاکرات کے لئے حکومتی وفد چوہدری شجاعت حسین کی
سربراہی میں متحرک رہا۔ اس وفد میں ان کے علاوہ محمد علی درانی، وزیر مملکت طارق
عظیم، وزیر مذہبی امور، بازار الحق، وفاقی وزیر برائے نسوان، کف، عطاء اللہ سے
مولانا مفتی رفیع عثمانی، مولانا سلیم اللہ خان، مولانا محمد عقیف، امام محمد عری، مولانا زاہد
الراشدی، ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، قاری عبدالرشید، مفتی محمد نعیم، مفتی محمد قاری، مسجد
الرحمن اور مفتی عبدالحمید شامل تھے۔ جبکہ کالعدم تنظیم حرکت المجاہدین کے امیر حفیظ
الرحمن خلیل کو مرکزی جامعہ لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید کی شہرہ آفاق

مذاکرات میں شامل کیا گیا۔ ان پر دونوں گروپوں کا اعتماد تھا۔ متحدہ مجلس عمل کی طرف سے مصالحتی کوششیں کرنے والوں میں فرید احمد پراچہ، مولانا عبدالملک، قاری گل رحمن، سید بختیار، مولانا عبدالملک خلیل، ڈاکٹر عطاء الرحمن، سینیٹر محمد حسین ہاشمی، مولانا شاہ عبدالعزیز، آصف لقمان قاضی، سیف اللہ گوندل اور الواحد جدون پیش پیش تھے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے 4 رکنی وفد جس میں فاروق ستار، حیدر رضوی، انور عالم اور شبینہ طلعت شامل تھے نے بھی مذاکرات میں حصہ لیا اس روز رات گئے تک حکومتی علماء متحدہ مجلس عمل کے ارکان کے لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید کے ساتھ مذاکرات کے کئی دور ہوئے مذاکرات کے لئے جانے والے وفد نے مولانا عبدالرشید غازی کو میگافون کے ذریعے جامع حفصہ کے قریبی سکول یا سرنڈر پوائنٹ پر آنے کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے گرفتاری کے خطرے اور اطراف کی عمارتوں میں سیوریٹی فورسز کے اہلکاروں کی موجودگی کے پیش نظر مدرسے سے باہر آنے سے انکار کر دیا اور وفد کو مدرسے کے اندر آنے کے لئے کہا وفد نے یرغمال بنائے جانے کے اندیشے کے پیش نظر مدرسے کے اندر جانے سے انکار کر دیا جس پر مولانا عبدالرشید غازی نے موبائل فون کا مطالبہ کیا جو انہیں ایک ڈرائیور کے ذریعے پہنچا دیا گیا جس کے ذریعے چوہدری شجاعت کی سربراہی میں مذاکرات کرنے والے وفد کے ہر ممبر سے مولانا عبدالرشید غازی کی بات کرائی گئی ان مذاکرات کے دور میں چوہدری شجاعت نے وزیراعظم شوکت عزیز اور صدر جنرل پرویز مشرف سے بھی ملاقاتیں کی۔ وزیراعظم شوکت عزیز کی سربراہی میں ایک اجلاس ہوا اس موقع پر چوہدری شجاعت، وزیر داخلہ آفتاب شیر پاد، سیکرٹری داخلہ کمال شاہ، وزیر داخلہ محمد علی درانی کے علاوہ کئی اہم شخصیات بھی موجود تھیں۔ اس اجلاس میں لال مسجد کا مسئلہ مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کے لئے

آپریشن ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ علماء کے 11 رکنی وفد جس میں مفتی رفیع عثمانی، مولانا حنیف جالندھری، ڈاکٹر محمد عادل، مولانا زاہد الراشدی، مفتی محمد قاضی عبداللہ، مولانا حکیم، مولانا محمد مظہر، مولانا عبدالرزاق سکندر، مفتی محمد نعیم اور حافظ عمار یاسر نے بھی وزیراعظم شوکت عزیز سے ملاقات کی اور لال مسجد اور جامع حفصہ کے مسئلے کے پرامن حل کے لئے تبادلہ خیال کیا گیا۔ حکومت نے مسئلے کے مذاکرات کے ذریعے حل کے لئے وفاق المدارس کے علماء کو جامع حفصہ کے اندر بھیجنے کا فیصلہ کیا اسی روز سپریم کورٹ نے مرکزی لال مسجد اور جامع حفصہ کے مسئلے کا از خود نوٹس لیتے ہوئے کارروائی شروع کی حکومت کو علماء کے وفد کو جامع حفصہ کے اندر بھیجنے کی ہدایت کی گئی اور سپریم کورٹ کے حکم پر ہی سیشن جج مرزا رفیع الزمان رات کو وقت جامع حفصہ کے باہر پہنچ کر میگا فون کے ذریعے مولانا عبدالرشید کو مدرسے سے باہر آنے کے لئے کہتے رہے۔ وفد کے مذاکرات کے نتیجے میں رات کو دونوں فریقوں میں معاہدہ طے پا گیا۔ حکومتی وفد نے مولانا عبدالرشید غازی کو چار آپشن دیں اسلام آباد میں نظر بندی، ملک بدری، گرفتاری اور روجھان میں نظر بندی مولانا عبدالرشید نے اپنے آبائی گھر روجھان جانے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ چوہدری شجاعت معاہدہ کا مسودہ لے کر جنرل پرویز مشرف کے پاس گئے تو انہوں نے اس معاہدے میں ایک تبدیلی کر دی نظر بندی کی جگہ ہاؤس اریسٹ کا لفظ لکھ دیا اس دوران علماء کا وفد سرنڈر پوائنٹ پر ہی موجود رہا جب چوہدری شجاعت نے واپس جامعہ حفصہ آکر مولانا عبدالرشید غازی سے بات کی اور انہیں اس تبدیلی کے بارے میں بتایا تو انہوں نے اس مسودے کو مسترد کر دیا جس سے مذاکرات میں ایک مرتبہ پھر ڈیڈ لاک آ گیا۔ اس مسئلے کی مذاکرات کے ذریعے حل کی اُمید کی جو شمع روشن ہوئی تھی وہ بجھنے لگی۔ علماء کے وفد نے جامع

حصہ میں داخل ہونے کی کوشش کی تو سیوری فورسز نے انہیں اندر جانے سے روک دیا علماء نے سپریم کورٹ کے فیصلے کا حوالہ دیا اور اندر ہلاک ہو جانے کی صورت میں خود کو ذمہ دار ٹھہرانے کی تحریر بھی دینے کا کہا لیکن سیوری فورسز نے علماء کو مدرسے کے اندر جانے کی اجازت نہیں دی ایک طرف مذاکرات کا عمل جاری تھا۔ دوسری طرف دیگر کارروائیاں جاری تھیں۔ اس روز کریڈٹ میں 2 مرتبہ نرمی کی گئی۔ 7 بجکر 30 منٹ سے 9 بجے تک اور سہ پہر 3 بجکر 30 منٹ سے 5 بجکر 30 منٹ تک جس کے دوران کرفیو زون علاقوں کے رہائشیوں نے ضروری اشیاء خریدیں اور بینک کھلنے کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگوں نے بینکوں سے رقوم نکلاؤں۔ فن لینڈ نے سیوری کے پیش نظر عارضی طور پر اپنا سفارتخانہ بند کرنے کا اعلان کر دیا کیونکہ ان کا سفارتخانہ مرکزی لال مسجد سے ٹھوڑے ہی فاصلہ پر ہے۔ صبح 9 بجے جامعہ حصہ سے ایک طالب علم فرار ہو کر باہر نکل آیا۔ جامعہ حصہ کے اندر سے ہونے والی فائرنگ سے جناح ایونیو روڈ پر واقع آئل اینڈ ڈیپلمنٹ کارپوریشن اور اسی کے قریب ہی ایک انیس منزلہ عمارت کی دیواروں پر گولیاں لگی۔ موبائل ٹریکنگ سسٹم کے ذریعے انتظامیہ نے جامعہ حصہ کے اندر موجود لوگوں سے رابطہ کرنے اور انہیں کارڈ لوڈ کرانے کے الزام میں 65 افراد کو گرفتار کر لیا۔ جامعہ حصہ سے نکلنے والے مزید 70 طلباء کو ان کے والدین کے حوالے کیا گیا۔ 128 طلباء کو اڈیالہ جیل بھیج دیا گیا اور اڈیالہ جیل میں گرفتار ایسے طلباء جن کی ایسی تصاویر انتظامیہ کو ملی جن میں وہ فائرنگ کرتے ہوئے اور اسلحہ پکڑے ہوئے نظر آرہے تھے کی بنیاد پر 79 طلباء کو بلیک لسٹ کر دیا گیا اور ان کے خلاف سنگین نوعیت کے جرائم کے مقدمے درج کر دیئے گئے۔ اڈیالہ جیل میں تینہ 295 طلباء پر دفعہ 144 کے تحت مقدمات درج کر لئے گئے۔ لال مسجد کے مسئلے کے پرامن

حل کے لئے مولانا عبدالرشید اور دود کے درمیان 11 گھنٹے تک مذاکرات جاری رہے۔ مولانا عبدالرشید غازی نے اس مطالبے پر کے جو معاہدہ طے پا گیا ہے اس پر میڈیا کے سامنے ملدرآمد کیا جائے۔ انیس خاموشی سے روح جان جانے کے لئے تیار نہیں۔ میں سب کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم پر جو الزام لگائے جا رہے ہیں ان میں کتنی حقیقت ہے کے بعد مذاکرات کا عمل رُک گیا جبکہ حکومت نے مولانا عبدالرشید کے اس اعتراف کے بعد کے جامعہ میں جو غیر ملکی موجود ہیں ان کا کیا بنے گا۔ انہیں محفوظ راستہ دینے کا مطالبہ کیا وہ مسترد کر دیا گیا۔ حکومت نے موقف اختیار کیا کہ جن لوگوں پر مقدمات نہیں ہیں انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور جن پر مقدمات ہیں انہیں گرفتار کیا جائے گا۔ مذاکرات کا عمل روک لیا گیا اور رات 1 بجے کے بعد چوہدری شجاعت نے مذاکرات کی ناکامی کا اعلان کر دیا کہ ہم نے ہر طرح کی کوشش کر کے دیکھ لی ہے لیکن مولانا عبدالرشید غازی کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

10 جولائی 2007ء

10 جولائی 2007ء مرکزی لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں گھمسان کی جنگ کا دن تھا۔ چوہدری شجاعت کے مذاکرات کی ناکامی کے اعلان کے بعد آپریشن سائنکس کے حتمی مرحلے کے لئے سپیشل سروسز گروپ اور رینجرز کے افسران نے تیاریاں شروع کر دیں۔ صبح 4 بجے دوبارہ آپریشن کا آغاز کیا گیا اور سپیشل سروسز گروپ کے کمانڈوز جامع لال مسجد میں داخل ہو گئے اور اس کا مکمل کنٹرول سنبھال لیا اور جامعہ حفصہ کی جانب پیش قدمی کی گئی۔ اس دوران کمانڈوز کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دوران گولہ بارود کا استعمال بھی کیا گیا اور مزاحمت کاروں کو بے بس کرنے کے لئے بے ہوش کرنے والی گیسیں بھی استعمال کی گئیں۔ عبدالرشید غازی میڈیا کے لوگوں سے رابطہ کر کے کہتے رہے کہ میں نے حکومت کی تمام باتیں مان لی تھیں لیکن چوہدری شجاعت اور اعجاز الحق ہمیں جھکانا چاہتے تھے۔ پھر انہوں نے کہا کہ میری ماں کو گولی لگ گئی ہے وہ زخمی ہیں انہیں کلمہ پڑھا دیا گیا ہے اور تھوڑی دیر بعد میں بھی شہید ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا تھا کہ میڈیا

والے آئیں اور سب کچھ دیکھ لیں کہ جامعہ حفصہ میں کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے 12 بجے آخری ایس ایم ایس میڈیا کے لوگوں کو کیا جس میں انہوں نے کہا کہ ہم حق پر تھے اور حق پر لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں گا۔ مولانا عبدالعزیز کی اہلیہ ام حسان اپنی بیٹی اور 30 خواتین کے ہمراہ مدرسے سے باہر آگئی۔ ان کے ہمراہ 27 بچے بھی تھے۔ تہہ خانوں کے 75 کمروں میں موجود مزاحمت کاروں نے اپنی پوزیشنیں سنبھال رکھی تھیں۔ وہ تہہ خانوں میں آنے والوں کو نارگٹ کلنگ کے ذریعے ہلاک کر رہے تھے جس کے بعد کمانڈوز ایک مرتبہ عمارت سے باہر آگئے اور کمروں کو اڑانے کے لئے گولہ بارود کا استعمال کیا جبکہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے درمیان بنائی جانے والی سرنگ میں بھی کمرے ہونے کی وجہ سے کمانڈوز کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا مولانا عبدالرشید ایک بنکر میں اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے کہ سکیورٹی فورسز نے دھماکے سے کمپاؤنڈ کی چھت اڑادی جس کے بعد کمانڈوز اور مولانا عبدالرشید کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ گولی ان کی ٹانگ میں لگی کمانڈوز نے انہیں باہر آ کر گرفتاری دینے کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس کے بعد فائرنگ سے لگنے والی گولی کی وجہ سے شام 7 بجے کے قریب مولانا عبدالرشید غازی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس آپریشن کے دوران 9 کمانڈوز اور 70 کے قریب عسکریت پسندوں کی ہلاکت کا دعویٰ کیا۔ جس کے بعد کمانڈوز نے سرچ آپریشن کے ذریعے جامعہ حفصہ کے تہہ خانوں میں موجود لوگوں کو ہلاک اور گرفتار کر کے کلیئرنس دینا شروع کر دی اور کام مسلسل ہوتا ہوا گلے روز میں داخل ہو گیا۔

بے حس بے حس

لگتا ہے آگ اور خون کا سلسلہ ابھی رکے گا نہیں

بادل برسنا شروع ہو گئے ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہزاروں
لاکھوں مائیں ہیں جو رو رہی ہیں۔ فضا میں سینکڑوں معصوم بچوں کی دہنی
دہنی سسکیاں گونج رہی ہیں۔ سینکڑوں بچیوں کی بکھری چوڑیاں ہیں
جنہیں چن چن کر سمیٹ دیا گیا۔

آگ اور خون کا سلسلہ کب رکے گا۔ بارود اور گولی کی زبان میں
بات چیت کا خونی سلسلہ کب اختتام پذیر ہوگا۔ کب تک میری دھرتی
ماں اولادوں پر قربان ہوگی۔ کب تک وہ اپنے جوانوں کے لاشے سمیٹی
پھرے گی۔ کوئی ماں ہے کہ جامعہ حفصہ میں اپنے بیٹوں کی ضد پر قربان
ہو جاتی ہے۔ اپنے بیٹے اور پوتے کے ساتھ چھلنی ہو جاتی ہے۔ ایک بیٹا
ہے کہ وہ اپنی ضد پر جنون پر اپنی آنکھوں کے سامنے ماں کو مرتے دیکھتا
رہتا ہے۔ یہ وہ ماں ہے کہ کچھ کہے بغیر بولے بغیر اپنے ضدی بیٹے کے
ساتھ مر جاتی ہے۔ ایک ماں وہ بھی ہے جو اپنے جوان شیر سے بیٹے
لیفٹیننٹ کرنل کی میت دیکھ کر اندر اندر ہی گھٹ کر مر جاتی ہے۔ اس کا جسم
اپنے جوان بیٹے کے لاشے سے لپٹتا ہے۔ اسکی آنکھیں یہ قیامت دیکھتی
ہیں۔ تسلیاں دلا سے پرے اسکی سماعت سے ٹکراتے ہیں اور وہ اپنے من

کے شوراندھیروں میں جگنوؤں کی طرح چمکتے خوابوں کو ایک ایک بجھتے دیکھتی ہے جوان بیٹوں اور پھر لیفٹیننٹ کرنل سے بیٹوں کا المیہ بہت جاں گسل ہوتا ہے۔ زندہ درگور کر دینے والا ہے۔ ایک بیٹے کی انا پر مر مٹنے والی ماں ہے اور بیٹے کی لاش دیکھ کر زندہ درگور ہونے والی ماں ہے۔ تو ایک ماں پنجاب کے دور افتادہ گاؤں سے ادھار جمع کر کے اسلام آباد پہنچنے والی ماں ہے جو اپنے 13 سالہ مصطفیٰ کو تلاش کر رہی ہے۔ مصطفیٰ لال مسجد کے رنگ میں کہیں گم ہو گیا ہے۔ لکھنے پڑھنے سے عاری یک وتہا مصطفیٰ کی ماں نہ غازی جیسے شہرت یافتہ کردار کی مالک ہے۔ نہ لیفٹیننٹ کرنل جیسے جی دار کرنیل کی۔ وہ ایک خواب امید اور اچھے دنوں کی آس کے تحت جامعہ میں بھیجے جانے والے مصطفیٰ کی ماں ہے۔ بظاہر وہ ایک غیر معروف اور غیر اہم ماں ہے۔ اسکی آنکھوں کے آنسو خشک ہو چکے ہیں۔ غربت بے چارگی اسکے چہرے سے ٹپک رہی ہے۔ کبھی وہ کف افسوس ملتی ہے کبھی آسمان کی طرف دیکھتی ہے۔ کچھ کہے بغیر جیسے اسے کوئی گلہ شکوہ نہیں۔ آسمان بھی تو خاموش ہے۔ وہاں سے بھی تو صرف پانی گر رہا ہے۔ مجبوروں کے آنسوؤں کی طرح۔ مصطفیٰ کی ماں ان سینکڑوں ماؤں کی نمائندہ علامت ہے۔ جنکے خواب جامعہ حصہ میں موجود جنگجوؤں کی نذر ہو گئے۔ وہ کہتی ہے میں نے سوچا چلو میرا

مصطفیٰ پڑھ لکھ کر کوئی کام کر لے گا گھر کا دال دلیہ چل نکلے گا پر..... پھر اسکے الفاظ اسکے اندر موجود پچھتاوے بے بسی اور ناقابل بیان دکھ کے سمندر میں گم ہو جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کب تک، مائیں اپنے ناکردہ گناہوں کے خمیازے بھگنتی رہیں گی۔ اس دن کیلئے تو نہیں بیٹے پیدا کئے جاتے کہ ان کے جوان لاشوں سے لپٹ کر رویا جائے یا انکے آخری دیدار کیلئے اس بڑھاپے میں خوار ہو جائیں۔

آگ اور خون کا سلسلہ ہے کہ تھمنے میں نہیں آ رہا۔ کاش لال مسجد میں آگ اور خون کا معرکہ آخری ہوتا۔ کاش اس سانحہ کے بعد یہ سلسلے ختم جاتے۔ ملک کے کروڑوں ٹک ٹک تکتے بے بس گونگے عوام کو سکون مل جائے۔ انکے چٹختے اعصاب کو قرار آ جائے۔ 66 سال سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے یہ مخلوق بھول جاتی ہے۔ دنیا میں بہت سے مہربان ایسے ہیں جنہوں نے تہذیبوں کے تصادم کی کچھ قسطیں پاکستان میں ابھی چلائی ہیں۔ جنرل مشرف کہتے ہیں کہ وہ رینجرز کو فوج کی طرح مسلح کریں گے۔ اور انکی فورس اب دہشت گردوں سے ٹکرائے گی۔ یعنی معرکہ ابھی ہونے ہیں۔

ہمیشہ عین موقع پر ویڈیو ریلیز کرنے والے ایمن الظواہری بھی اپنا عندیہ دے چکے ہیں کہ لال مسجد کا بدلہ لیا جائے گا۔ یعنی میدان انکی

طرف سے بھی تیار ہے۔ امریکی انٹیلی جنس کے سینٹر عہدیدار تھامس
تھنڈر بھی اس ٹائم فریم میں داخل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا
ہے کہ ایمن الظواہری اور القاعدہ کے دیگر عہدیدار پاکستان میں موجود
ہیں۔ امریکہ کو شمالی وزیرستان میں موجود پاکستانیوں کا خود اپنی فوج سے
معاہدہ پسند نہیں تو لال مسجد والوں کو کیسے معافی مل سکتی ہے۔ ان سے
معاہدہ ہو سکتا تھا غازی عبدالرشید کوئی امریکی مجرم تو نہیں جنگی سزا قانون
سے بالاتر ہو کر صدر بش معاف کر دیتے۔ وہ تو پاکستانی تھا مسلمان تھا اور
جنگجو انا پرست مسلمان تھا۔ اسکو تو معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
۔ ایوان صدر نے ٹھیک فیصلہ کیا کہ علماء اور مولانا عبدالعزیز کے گھٹنوں کو
ہاتھ لگانے والے اعجاز الحق کا معاہدہ مسترد کر دیا تھا مس تھنڈر کی جانب
سے بڑے نازک مرحلے پر ایمن الظواہری کی پاکستان میں موجودگی کا
انکشاف پھر اس خطرناک موڑ پر ایمن الظواہری کا بیان اور جنرل
مشرف کی جانب سے آئندہ کے عزائم کا اعلان میں سے ابھی بہت سے
دھماکوں معرکوں کی بو آتی ہے۔

شاید پاکستان کی ماؤں کے مقدر میں کائنات کے خالق نے قربان
ہونا زندہ درگور ہونا یا اپنے پیاروں کی تلاش میں رل جانا لکھ دیا ہے اور
کیوں نہ لکھا جائے۔ جب قومیں اس سطح پر بے حس ہو جائیں تو انہیں ایک

دو نہیں سینکڑوں ہزاروں جوانوں کے مرجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا
پھر جب چند طالع آزمائیں پھٹی پھٹی آنکھوں کے سامنے اپنی اناؤں کی
آقاؤں کی جنگ میں اس دھرتی کے شاہیں جوانوں طالب علموں اور
معصوم بچوں کو ایندھن کی طرح استعمال کریں اور اس بے حس قوم کے
تن مردہ میں جنبش تک پیدا نہ ہو۔ جب اس دھرتی کو پر کسی وار کیلئے
کسی اور کی جنگ اس پاک ارض وطن پر لڑی جانے کی تیاریاں ہو رہی
ہوں اور سب دم سادھے منہ میں گھونگھے ڈالے بیٹھے رہیں تو جرم ضعیفی
کی سزا دھماکے، گولیاں، بارود سوختہ لاشیں، بکھری چوڑیاں، جلی کتابیں،
خاکستر عمامے، خون آلود وردیاں رہ جاتی ہیں۔ ماؤں کے سیاپے بین
سکیاں آنسو رہ جاتے ہیں۔ کتنے کمزور ہیں ہم لوگ بھی کتنے بے حس
کتنے بے شرم۔

سیاستدان اور علماء کا کردار

غربت اور محرومیوں کے بوجھ تلے دہلی بیمار قوم کے بدن میں لال مسجد کی صورت میں ایک ناسور پک رہا تھا مگر افسوس سیاست دان اس کا روئی کو روک سکے نہ علماء نے ہی اس کی تباہ کاری کو سمجھنے کی کوشش کی۔ عوام کو ابھی وزیرستان کے دوراناتادہ مارے میں فوجی آپریشن میں 80 معصوم بچوں کی ہلاکتیں نہیں بھولی تھیں کہ اکبر بگٹی کی فورسز کے ہاتھوں دردناک ہلاکت اور پھر 12 مئی کو چند سیاسی مفادات اور انا کی خاطر 50 بے گناہ لوگوں کی لاشیں گرانے کے مناظر بھی دیکھنا پڑے۔ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو غیر فعال کئے جانے کے بعد وکلاء کی ملک گیر عدلیہ آزادی تحریک سونے سوسائٹی کا شدید رد عمل اور مندرجہ بالا تحریکوں کے لئے حمایت، شدید لوڈ شیڈنگ اور مسائل کے مارے عوام کا احتجاج، بجٹ کی ناکامی، غلط انتخابی فہرستیں اپوزیشن کی کڑی

تنقید۔ صدر پرویز مشرف کے دوبارہ انتخاب کی کشمکش، اسمبلیوں کی تحلیل، وردی کا مسئلہ، وفاقی و صوبائی امراء و وزراء کی عوام میں تیزی سے کم ہوتی ہوئی مقبولیت، وزیراعظم کے خلاف ریفرنس، سندھ بلوچستان میں حالیہ بارشوں سے ہونے والی تباہ کاریاں اور بدقسمت خاندانوں کی آباد کاری اور بروقت امداد کے سلسلے میں حکومت کی بے بسی اور ناکامی، اے پی کے اجلاس اور اپوزیشن کی مشترکہ لائحہ عمل اور انتخابی اتحاد تشکیل دینے کی کوششیں، ان کوششوں کے نتیجے میں حکومتی ایوانوں میں تشویش کی لہر، میڈیا کو آزادی دینے اور چھیننے کے متضاد رویے اور طرز عمل، سب کچھ اتنا ہنگامہ خیز تھا کہ عوام تو ایک طرف، اپنے مفادات کی جنگ میں مصروف سیاستدانوں نے بھی لال مسجد پر بڑھتے خون کے سائے دیکھے۔

غازی برادران نفاذ شریعت کے اعلان سے آپریشن کی تکمیل تک یہی اصرار کرتے رہے کہ فحاشی اور بے حیائی پر مبنی نظام مسائل کی جڑ ہے۔ جس میں چند خاندان اقتدار پر قابض ہیں اور سب کا خون چوس رہے ہیں۔ جب تک اسلامی نظام نافذ نہیں ہوتا ملک کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ گرچہ غازی برادران کا موقف غلط نہیں تھا مگر اپنی بات منوانے کا طریقہ کار ٹھیک نہیں تھا۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی اسلام آباد میں 18 برانچوں کا نیٹ ورک تھا جس میں ہزاروں طلبہ و طالبات زیر تعلیم تھے۔ انتظامیہ کے تحریک نفاذ شریعت ملاکنڈ اور وزیرستان کے مزاحمت کاروں سے رابطے تھے یہ مسجد طاقت کے ایک اہم مرکز کے طور پر ابھر کر سامنے آ رہی تھی۔ جس نے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں ریاست کے اندر ریاست قائم کر لی۔ جس نے اپنی شرعی عدالت بنا کر فتوے دینے شروع کر دیئے اور سزائیں دینے کا اعلان کیا۔

حکومت نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ لال مسجد میں غیر ملکی عسکریت پسندوں کی بڑی تعداد موجود تھی تاہم حیرت کی بات یہ ہے کہ حساس اداروں اور ایوان صدر کے مرکزی دفاتر کی بغل میں اسلحہ کے انبار لگائے جا رہے تھے اور عسکریت پسندوں کی ٹولیاں آ جا رہی تھیں۔ طلباء و طالبات کے لئے ”شہید ساز“ فیکٹری تیار کی جا رہی تھی۔ بارودی سرنگیں لائی جا رہی تھیں۔ اتنا اسلحہ اکٹھا کیا جا رہا تھا کہ ریاست میں رہ کر دنیا کی بہترین فوج کا 8 روز تک مقابلہ کیا جاسکے اور اسلحہ پھر بھی ختم نہ ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران قانون نافذ کرنے والے ادارے کیا کر رہے تھے۔ دہشت گردی کے خلاف اعلیٰ ترین وژن اور بین الاقوامی سیاست میں خود کو پہلوان قرار دینے والے زیرک سیاستدان اکا دکا بیانات کے سوا اس مسئلے کو مستقل نظر انداز کیوں کر رہے تھے؟ ذی ہوش کہلانے والے علماء کرام اپنے علم کے نشے میں مدہوش کیوں تھے۔ اگر یہ تحریک جائز تھی تو سیاستدانوں نے کھل کر حمایت کا اعلان کیوں نہیں کیا۔ اگر ناجائز تھی تو اس کا راستہ روکنے کے لئے اپنا کردار کیوں ادا نہ کیا۔ علماء نے اس تحریک کو وکلاء کی آزاد عدلیہ جیسا رنگ کیوں نہ دیا۔ اس تمام واقعہ میں اعجاز الحق کا کردار بھی قدرے منافقانہ رہا۔ ٹی وی پر آنسو بہانے سے لباس پر پڑے خون کے چھینٹے نہیں دھل سکتے۔ اگر اعجاز الحق اپنے والد کی طرح جہادی جنگجوؤں کی پشت پناہی نہ کرتے، مولانا برادران پر دست شفقت نہ رکھتے اور گاہے بگاہے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے انہیں قانون سے نہ بچاتے تو شاید آج حالات مختلف ہوتے۔ جب غازی برادران کی گاڑی سے اسلحہ برآمد ہوا تو کاش اعجاز الحق ان کے پیچھے تھانے نہ جاتے انہیں چھڑا کر نہ لاتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آنٹی شیم سے لیکر چینی ورکروں کے اغواء تک ہماری حکومت لال مسجد میں

موجود جنگی وسائل کا اندازہ ہی نہ لگا سکی۔ اگر وہ غازی برادران کے موقف سے اختلاف رکھتے تھے تو اس کا برملا اظہار کرتے ہوئے موت کی راہ پر چلنے والوں کی حوصلہ شکنی کے لئے آگے کیوں نہ آئے۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ اس نے دانستہ مجرمانہ خاموش اختیار کی اور اس وقت کے لئے اس پودے کی آبیاری کرتی رہی۔ کہ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینک کر روشن خیالی کے جنہیں ہونے کا اعزاز حاصل کیا جاسکے۔ اعجاز الحق کے والد ضیاء الحق نے امریکہ کی خوشنودی کے لئے اس کے دشمنوں کو ختم کیا پھر جہادیوں کی شکل میں پاکستان کو ایک مستقل ایسے سے دوچار کیا۔ روس افغانستان سے بھاگ گیا لیکن اسے بھگانے کی قیمت پاکستان کی غریب عوام نے بھگتی ہے اور ایک عرصہ تک بھگتی گئی۔ ضیاء الحق کے دور میں جس طرح مذہبی منافرت اور فرقہ واریت کو ہوا دی گئی وہ اس غریت زدہ معاشرے میں اس حد تک زور پکڑ گئی ہے کہ اس کا بروقت علاج نہ کیا گیا تو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

فرسودہ قانون کو بدلنے کی بجائے اپنے قوانین بنا کر بیٹھ جانے والوں نے سلامتی کی علامت مذہب کو خوف کی سیاہ تاریکی میں پیش کرنے کی کوشش کی تو کوئی روشنی کا دیا ہاتھ میں لئے آگے کیوں نہ بڑھا۔

حکومت سارا بوجھ سیاسی مسائل تلے دبے چودھری شجاعت حسین کے کندھے پر ڈال کر اپنی طاقت کے زعم میں جمہوری عمل کو پائیدار کرنے میں ”مصرف“ رہی تو سیاستدان اے پی سی میلے میں موجود آسائشات اور تفریحات سے زیادہ سے زیادہ حصہ وصول کرنے کی کوششوں میں لگے رہے۔ علماء اور مشائخ مدرسوں کی شکل میں اپنی اپنی حکومتوں کی خیر مانگتے رہے۔ ”تجھ کو پرانی کیا پڑی اپنی نیڑ تو“ کے

مصدق ہر کوئی اپنے اپنے گھونسلے مضبوط بنانے میں لگا رہا۔ جب پانی سر سے گزرنے لگا تو چودھری شجاعت اور اعجاز الحق کے ساتھ ساتھ فضل الرحمن اور چند دیگر علماء بھی کشتی ڈوبنے سے بچانے کی کوششوں میں مصروف نظر آئے لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی اور تو اور مولانا فضل الرحمن جن پر مولانا عبدالعزیز کو مذاکرات کے بہانے دھوکے سے برقعے میں باہر بلانے کا الزام بھی عائد کیا جا رہا ہے (جس کی تصدیق مشکل نہیں ناممکن لگتی ہے) انتہائی نازک مرحلے پر لندن یا ترائے کے لئے چلے گئے۔ کیونکہ اے پی سی میں اپنا قد کاٹھ ثابت کرنا ان کے لئے مستقبل میں سودے بازی کرتے ہوئے زیادہ قیمت وصول کرنے کا ذریعہ ثابت ہو سکتا تھا۔ متحدہ مجلس عمل نے اپنا سیاسی ”بوناپن“ دور کرنے کے لئے جتنا جوش و خروش چیف جسٹس ریفرنس کیس میں دکھایا وہ لال مسجد کے محاصرے سے آپریشن کی تکمیل تک کہیں نظر نہ آیا۔

ملک کی محبت کا دم بھرنے اور حرمت کی قسمیں کھانے والے سیاستدان لال مسجد میں بین الاقوامی سطح پر پاکستان اور اسلام کے نام پر لگنے والے سیاہ داغ کو نظر انداز کر کے بینظیر کے استعفوں کے لئے قائل ہو جانے کا انتظار کرتے رہے۔ بینظیر کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مغرب کی ”گڈ بکس“ میں رہنے کے لئے ہی بیان دیتی ہیں ورنہ خاموش رہتی ہیں۔

یہ المیہ نہیں تو پھر کیا ہے کہ ہزاروں معصوم بچوں بچیوں کی داؤ پر لگی زندگیوں کو بچانے کی بجائے سیاسی اکابرین اپنی خود نمائی کے داؤ پیچ لڑا رہے تھے۔ افسوس جب مغربی ذرائع ابلاغ کو مسلمانوں کی خلاف منی پراپیگنڈے کا موقع مل رہا تھا۔ ہمارے سیاسی اکابرین مغرب میں ہی سیاسی گٹھ جوڑ میں مصروف تھے اپنے اپنے دور میں انتہا

پسندی کا لیبل اتارنے کی کوششوں میں مصروف موجودہ اور سابق وزراء اپنی سیاسی جدوجہد کو انتہائی کامیاب بنانے کے لئے جتن کر رہے تھے ایک طرف لندن کی ٹھنڈی ہواؤں سے نئے سیاسی اتحاد کی خوشبو آ رہی تھی تو دوسری طرف لاشوں کے تعفن بھرے ماحول میں جان ہتھیلی پر رکھ کر غازی سے مذاکرات کے لئے مسجد کے اندر جانے کیلئے کوئی تیار نہ تھا۔

مانا کہ لال مسجد میں خوف سے پیلے چہرے کے ساتھ جانا ”حماقت“ ہوتا مگر مولانا عبدالعزیز کی شکل میں جو ٹرمپ کارڈ ہاتھ آ گیا تھا اس کی مدد سے ہی کوئی غیر خونی راستہ تلاش کر لیا جاتا شاید چیف جسٹس ریفرنس کیس میں نعرے بازی کرتے عوام کے چہروں پر سیاسی تبدیلی کی لہر ہی پڑھ کر خوش ہونے والوں کو آنسوؤں میں ڈوبی خواتین یا تشویش زدہ بوڑھے باپ اور حیرت و یاس میں ڈوبے ان بہن بھائیوں کے چہرے پسند نہیں تھے جو خود اندر اور ان کے پیارے باہر ٹپ رہے تھے۔ یہ امر باعث صدا فوس ہے کہ سیاستدانوں اور علماء کو سارے ماحول میں انسانی ضیاع کے خدشات نظر نہیں آئے۔ اس تنازعہ کے حل کے لئے چودھری شجاعت، اعجاز الحق اور دیگر چند حکومتی زعماء فعال نظر آئے جو خلوص نیت سے اس معاملے کو پرامن انداز میں انجام تک پہنچانا چاہتے تھے لیکن دونوں جانب کے بے لچک رویوں نے اتنا خون بہایا کہ آپریشن سائلنس کا ”شور شرابا“ پوری دنیا میں ملک و قوم کی بدنامی کا باعث بن گیا۔

چودھری شجاعت حسین، اعجاز الحق، محمد علی درانی، سمیرا ملک اور طارق عظیم نے ٹیلی فونک مذاکرات کے ذریعے بھی عبدالرشید غازی سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ معصوم بچوں اور طالبات کو باہر جانے دیں لیکن انہوں نے کسی وزیر اور کسی عالم دین کی بات

اور اپیل کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور اپنے موقف پر بھنڈر ہے۔ جس کے بعد شجاعت حسین نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں زندگی میں اس قدر کبھی مایوس نہیں ہوا لیکن اب مایوسی کے ساتھ یہاں سے جا رہا ہوں۔ تمام تر کوششوں کے باوجود بات نہیں بن سکی۔ اب معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ میں نے غازی کو اللہ ماؤں اور بہنوں کے واسطے دیئے لیکن عبدالرشید غازی کا جواب یہ تھا کہ میں بات کروں گا۔ نہیں معلوم کہ انہوں نے کس سے بات کرنی ہے۔ ایدھی فاؤنڈیشن کے سربراہ عبدالستار ایدھی اور ان کی اہلیہ بلیقیس ایدھی نے بھی عبدالرشید غازی سے بچوں کو چھوڑ دینے کی اپیل کی لیکن ناکامی کے بعد وہ بھی مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ جامعہ حفصہ کے سامنے سرنڈر پوائنٹ پر ہونے والی بات چیت میں بھی کوئی مثبت پیش رفت نہ ہو سکی یہاں تک کہ تمام علمائے کرام وفاقی وزراء اور بعض نجی اداروں کے سربراہ تھک ہار کر مایوسی کے عالم میں واپس چلے گئے اس لئے کہ عبدالرشید غازی نے ان میں سے نہ کسی کی بات مانی اور نہ ہی کسی کی دردمندانہ اپیل کا مثبت جواب دیا۔ حکومت کی طرف سے تمام پیشکشوں کو بھی مسترد کر دیا۔

علماء کرام کے وفد میں عبدالرشید غازی کے بعض اساتذہ بھی شامل تھے لیکن انہیں بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ بہر حال صدر جنرل پرویز مشرف اور وزیراعظم شوکت عزیز کی ہدایت پر چودھری شجاعت حسین کی قیادت میں وفاقی وزراء فوجی حکام اور علماء کے وفد کا عبدالرشید غازی کے ساتھ رات بھر سے صبح ہونے تک مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا اور توقع تھی کہ فریقین کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے تاہم بعد ازاں مذاکرات ڈیڈ لاک کا شکار ہو گئے۔

یہ وہ ڈیڈ لاک ہے جو ہماری قومی زندگی میں قدم قدم پر پیش ہوتا رہا ہے۔ ایک وقت وقت ایسا بھی آیا جب علماء اور حکومتی وزراء اس بات پر خوش ہو گئے تھے کہ مذاکرات کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ مٹھائیاں تک تقسیم ہو گئیں لیکن ایوان صدر سے مذاکرات کے نتیجے میں تیار ہونے والا مسودہ تبدیل کر دیا گیا جس کے بعد علماء اور حکومتی نمائندے منہ لپیٹ کر اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

مذاکرات میں ڈیڈ لاک کیوں آیا۔ الزامات و ضاحتوں کا ایک طوفان ہے جو تھمنے میں نہیں آ رہا۔ اصل حقائق کیا تھے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ تاہم جو شواہد سامنے آئے ان کے مطابق فوری فوجی آپریشن کا فیصلہ حکومت اور وفاق المدارس کے درمیان طے پانے والے معاہدے میں ایوان صدر کی طرف سے تبدیلی کے بعد کیا گیا۔ معاہدے کا مسودہ چودھری شجاعت حسین خود ایوان صدر لے گئے تھے۔ کچھ حلقوں کا الزام ہے کہ حکومت اور وفاق المدارس کے درمیان رات گئے چار نکات پر اتفاق کے بعد ایوان صدر سے تحریر تبدیلی کر دی گئی ان مذاکرات میں حکومت کی طرف سے چودھری شجاعت حسین محمد علی درانی طارق عظیم اعجاز الحق وفاق المدارس کی طرف سے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا زاہد الراشدی، ڈاکٹر عادل خان نے حصہ لیا جبکہ غازی عبدالرشید کے اصرار پر مولانا فضل الرحمان خلیل کو بھی مذاکرات میں شریک کیا گیا۔ وہ فارمولا جو طارق عظیم اور مولانا زاہد الراشدی نے مشترکہ طور پر مذاکراتی ٹیم کی موجودگی میں طے کیا تھا اس کے چار اہم نکات تھے۔ مولانا عبدالرشید غازی کو اہل خانہ اور ذاتی سامان سمیت ان کے آبائی گاؤں کے گھر میں منتقل کر دیا جائے گا اور گرفتاری یا نظر بندی نہیں ہوگی۔ طالبات کو محفوظ مقام پر

منتقل کرنے کے بعد ان کے خاندان کے ساتھ بھجوا دیا جائے گا۔ طلبہ اور لال مسجد میں موجود دیگر افراد کو محفوظ مقام پر منتقل کر کے ان کی انکوائری کی جائے گی جو افراد جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے تنازعہ اور چلڈرن لائبریری پر قبضہ سے قبل کسی کیس میں مطلوب نہیں ہیں انہیں ان کے گھر بھجوا دیا جائے جبکہ اس سے قبل کے مقدمات میں مطلوب افراد کو گرفتار کیا جائے گا اور قانون کے مطابق عدالتوں کے ذریعے ان کے معاملات نمٹائے جائیں گے۔ جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ وفاق المدارس کے کنٹرول میں دے دیئے جائیں گے اور ان کے قانونی معاملات حکومت کی مشاورت سے طے ہوں گے اور لال مسجد محکمہ اوقاف کی تحویل میں دی جائے گی اور اس کے انتظامی معاملات وفاق المدارس کی مشاورت سے طے ہوں گے۔ ان نکات پر وزیراعظم کے ساتھ ملاقات میں اصولی اتفاق ہوا تھا جس کو شام کو مذاکراتی ٹیم نے باقاعدہ فارمولے کی شکل دی تھی۔ اور عبدالرشید غازی نے بھی فون پر اسے سن کر اس سے اتفاق کر لیا تھا۔ ایوان صدر سے تینوں نکات تبدیل کر دیئے گئے اور تحریر کیا گیا۔

نمبر ایک عبدالرشید غازی ساتھیوں سمیت سرینڈر کر کے گرفتاری دیں گے۔
نمبر دو لال مسجد میں علامہ عبدالرشید غازی سمیت موجود تمام افراد کو چلڈرن لائبریری سمیت قبضے کے بعد قائم ہونے والے مقدمات اور اس سے قبل کے تمام مقدمات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نمبر تین جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو وفاق المدارس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ ذرائع کے مطابق اس تبدیلی کو وفاق المدارس نے قبول نہیں کیا۔
چودھری شجاعت حسین نے علی الصبح پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مذاکرات کی ناکامی کا اعلان کیا تاہم انہیں اس ناکامی کے نتیجے میں فوجی آپریشن کے بارے میں کوئی

علم نہیں تھا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن اور پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے مذاکرات میں طے پانے والے فارمولے بارے میں بتایا کہ پیر کی شام 6 بجے سے رات ساڑھے 12 بجے تک چودھری شجاعت حسین اور ان کے ساتھی وزراء کے ساتھ جو متفقہ نکات طے ہوئے تھے اور ایک مشترکہ تحریر میں نے اور طارق عظیم نے مل کر تحریر کی تھی اسے ایوان صدر میں قبولیت حاصل نہیں ہوئی اور وہاں سے ایک نئی تحریر لا کر جس میں پہلے فارمولا کے تینوں بنیادی نکات تبدیل کر دیئے گئے تھے ہم سے کہا گیا کہ یہ آخری بات ہے اس میں کوئی تبدیل نہیں ہو سکتی اس لئے صرف (ہاں) یا (ناں) میں جواب دیا جائے اور اس کے لئے صرف آدھا گھنٹہ وقت دیا گیا ہے اس کے بعد مزید گفتگو نہیں ہوگی جس پر ہم نے یہ کہا کہ اس صورتحال میں ہم ان مذاکرات میں مزید شمولیت کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے اور رات اڑھائی بجے ہم وہاں سے واپس آ گئے اور وفاقی وزراء مسلسل کہتے رہے کہ فارمولا تبدیل نہیں کیا گیا تھا بلکہ اسے قانونی زبان دی گئی ہے میں طارق عظیم کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ تحریر جو انہوں نے نکات کی صورت میں اپنے ہاتھ سے لکھی تھی اور وہ تحریر جو ان نکات کی بنیاد پر میں نے فارمولا کی شکل میں لکھی تھی اور اس کے بعد وہ تحریر جو ایوان صدر سے لکھوا کر لائے تھے یہ تینوں تحریریں طارق عظیم کے پاس ہیں اور رات ہمارے مطالبہ کے باوجود انہوں نے ہمیں نہیں دیں وہ ان تینوں تحریروں کو پریس کے لئے جاری کر دیں لوگ خود فیصلہ کر لیں گے کہ کون جھوٹ بول رہا ہے اور کس نے معاہدہ سے انحراف کیا ہے۔ انہوں نے یہ وضاحت مذاکرات کے دوران غیر ملکیوں کے حوالے سے عبدالرشید غازی کی طرف سے ہمارے ساتھ کوئی بات نہیں ہوئی البتہ یہ

بات ہوئی تھی جس پر اتفاق رائے ہو گیا تھا کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے تنازعہ کے حوالے سے درج کسی کیس میں کسی کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس سے قبل کسی بھی مقدمہ میں مطلوب افراد کو حکومت گرفتار کرے گی اور ان کے بارے میں قانون کے تحت عدالتوں کے ذریعے فیصلے کئے جائیں گے مولانا رفیع عثمانی نے ایک انٹرویو میں کہا کہ اس معاہدے کے مسودے کو ایوان صدر میں بھیجا گیا جہاں اس میں تبدیلیاں کی گئیں۔ جس کی وجہ سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔ اس سے قبل مفتی رفیع عثمانی نے انکشاف کیا کہ علماء اور لال مسجد کی انتظامیہ کے درمیان معاہدہ طے پا گیا ہے اور آئندہ چند گھنٹوں میں اس مسئلے کو حل کر لیا جائے گا۔ مفتی محمد تقی عثمانی نے کہا کہ گزشتہ شب حکومت اور لال مسجد انتظامیہ کے درمیان ہونے والے مذاکرات تقریباً کامیاب ہو گئے تھے اور عبدالرشید غازی مصالحت پر راضی ہو گئے تھے لیکن حکومتی رویے نے ہمیں ناامید اور مایوس کیا انہوں نے کہا کہ موجودہ صورتحال تشویشناک اور دردناک ہے۔ اور ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ حنیف جالندھری نے کہا کہ رشید غازی علماء اور میڈیا کی موجودگی میں سرنڈر پر راضی تھے۔

مذاکرات کی ناکامی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اعجاز الحق کا کہنا تھا کہ عبدالرشید غازی کے ساتھ ہونے والے مذاکرات مدرسے میں موجود غیر ملکی عناصر کے مستقبل کے سوال پر ختم ہوئے تھے۔ اعجاز الحق نے کہا کہ وہ پیر کے روز عبدالرشید غازی سے رابطے میں تھے اور رابطے کے دوران انہیں یہ محسوس ہوا کہ وہ ہر فیصلہ کسی سے پوچھ کر کرتے ہیں کیونکہ وہ ہر معاملے پر یہ کہہ کر فون بند کر دیتے تھے کہ وہ 10 منٹ بعد بتائیں گے۔ اسی پروگرام میں ممتاز عالم دین حنیف جالندھری نے کہا کہ انہیں عبدالرشید

غازی کے ساتھ مذاکرات کے دوران کسی لمحے بھی یہ گمان نہیں گذرا کہ وہ کسی سے پوچھ کر فیصلے کر رہے ہیں یا وہ خود محبوس ہیں۔ حنیف جالندھری نے کہا کہ ان کے اور چودھری شجاعت کے درمیان پانے والے مسودے میں لکھا گیا تھا کہ نظر بندی کی بجائے عبدالرشید غازی کو ان کے گاؤں بحفاظت منتقل کر دیا جائے گا لیکن بعد ازاں ایوان صدر سے واپس آنے کے بعد اس مسودے میں لکھا گیا کہ عبدالرشید غازی کو گھر میں رکھا جائے گا۔ دونوں جملوں کے اس فرق نے مذاکرات پر منفی اثر ڈالا۔ اس پروگرام کے دوران اعجاز الحق نے انتہائی برہم لہجے میں ایم ایم اے کے رکن اسمبلی مولانا شاہ عبدالعزیز پر الزام عائد کیا کہ یہ سارا معاملہ یہاں تک پہنچانے میں ان کا ہاتھ ہے۔ اعجاز الحق نے کہا کہ گزشتہ روز مولانا عثمانی نے شاہ عبدالعزیز کو ڈانٹتے ہوئے کہا تھا کہ تم پارلیمنٹ لاجز میں واپس چلے جاؤ اور معاملے میں دخل نہ دو۔ انتہائی نازک صورتحال میں معتبر مذہبی شخصیات کی بدحواسیاں سمجھ سے بالاتر ہیں اس افسانے میں آگے چل کر کس کس شخصیت کا نام آتا ہے فی الحال کچھ کہا نہیں جاسکتا بہر حال عبدالعزیز نے مصالحت کے لئے کوشش میں ”حوصلہ افزائی“ کا جوڑ کا لگایا اسے کیا کہا جائے۔ قارئین خود فیصلہ کریں۔ دوسری طرف بے نظیر بھٹو نے کہا کہ لال مسجد آپریشن ناگزیر ہو چکا تھا کیونکہ حکومت کے پاس کوئی راستہ نہیں بچا تھا ان کا کہنا تھا کہ مسئلہ مذاکرات سے حل ہو جائے لیکن مذاکرات کامیاب نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ غازی عبدالرشید پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ ان کے پاس خود کش بمبار موجود ہیں اور اگر حکومت ان کے مطالبات نہیں مانتی تو وہ ان بمباروں کو استعمال کریں گے۔ بے نظیر بھٹو کا کہنا تھا کہ اس صورتحال سے سارے شہر کو خطرہ تھا۔ اگرچہ آپریشن کے دوران ہونیوالی ہلاکتیں بد قسمتی ہے لیکن

اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔ اس سوال کے جواب میں کہ آیا حکومت کو مذاکرات کا مزید وقت نہیں دینا چاہئے تھا بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ایسا کرنے سے مزید خرابی ہوتی۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام آباد میں کرفیو لگا ہوا تھا جس سے عام شہری متاثر ہو رہے تھے۔ لال مسجد اور اس سے ملحقہ مدرسے میں چھپے ہوئے عسکریت پسند انسانوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کر رہے تھے یہ کہنا کہ سیز فائر یا فرار کا راستہ دینے سے مسئلہ حل ہو سکتا تھا غلط ہے کیونکہ ایسا کرنے سے حالات ٹھیک ہونے کی بجائے مزید خراب ہو جاتے۔ آپریشن سائیلنس کے ممکنہ رد عمل کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں بے نظیر بھٹو نے کہا کہ مدارس کی جانب سے شدید رد عمل ہو سکتا ہے لیکن ان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں گزشتہ چند برسوں کے دوران انتہا پسندوں کو بہت ڈھیل دی گئی ہے جس سے انتہا پسندوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے ملک میں کئی ایسے مدارس ہیں جو دراصل غیر ملکی فوجی ہیڈ کوارٹر بن چکے ہیں ہماری ریاست کو اپنے عوام کو تحفظ دینا ہوگا۔ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ پاکستانی فوج کے اہلکار قبائلی علاقوں میں انتہا پسندوں اس کے علاوہ عسکریت پسندوں کے خلاف کارروائیوں میں شہید ہو رہے تھے عسکریت پسندوں نے اسلام آباد میں بھی پولیس اہلکاروں کو اغوا کرنا شروع کر دیا تھا ان کے بقول لال مسجد آپریشن کے ذریعے حکومت نے ایک لکیر لگائی ہے کہ وہ انتہا پسندوں کو اس سے آگے نہیں آنے دے گی۔ تاہم ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مستقبل میں کیا ہوتا ہے کہیں حکومت ان کو دوبارہ ڈھیل تو نہیں دے گی؟۔

لال مسجد تنازعہ کے جیمپن بن کر سیاسی دکانداری چکانے کے لئے لندن نکل جانے والے اپوزیشن لیڈر اور متحدہ مجلس عمل کے سیکرٹری جنرل فضل الرحمان کو لال مسجد

میں خون کی ہولی سے زیادہ بینظیر کے بیان پر دکھ پہنچا اور انہوں نے بے نظیر کی طلب کردہ اے پی سی میں شرکت سے انکار کر کے اپنا فرض ادا کر دیا۔ تاہم بعد میں انہوں نے کانفرنس میں شرکت کی اور یہ فرمایا کہ یہاں نواز شریف نے ان کے بائیکاٹ کے خوف سے پیپلز پارٹی کو کانفرنس میں شرکت سے روک دیا۔ یہ امر دلچسپی سے کم نہیں کہ میاں صاحب نے اپنے پیارے مولانا فضل الرحمان کی خوشنودی کے لئے ملک کی اکثریتی پارٹی سے چھیڑ خانی کا رسک نہیں لیا۔ جماعت اسلامی کے سربراہ قاضی حسین احمد نے اپنے بیان میں کہا کہ لال مسجد کا قتل عام قومی سانحہ ہے پوری فوج کو ضمیر کا مجرم بنا دیا گیا ہے متعدد گواہیاں آگئیں کہ مذاکرات ایوان صدر نے ناکام بنائے۔ مسجد اور خواتین کا تقدس خاک میں ملا دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ آج پوری قوم شدید صدمے سے دوچار ہے دارالحکومت میں مساجد شہید کر دیئے جانے سے شروع ہونے والا بحران سنگین قتل عام تک پہنچا دیا گیا۔ ذرائع ابلاغ کو ہسپتالوں میں دیکھتے ہی گولی مار دیئے جانے کے حکم سے واضح ہے کہ جانی نقصان ناقابل بیان ہے قاضی حسین احمد نے کہا کہ لال مسجد میں قتل عام کا ارتکاب کر کے قوم اور فوج کے درمیان ایک خونی لکیر کھینچ دی گئی ہے یہ خلیج پائٹ کے لئے طویل عرصہ درکار ہوگا قوم سوال کر رہی ہے کہ کیا دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کی جانے والی فوج کا کام صرف بلوچستان قبائلی علاقوں اور مساجد و مدارس پر ہلے بولنا ہی رہ گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس بحران کے دوران کئی ایسے مواقع آئے کہ اسے بخیر و خوبی اور پرامن طور پر حل کیا جاسکتا تھا۔ پوری قوم کو یکجا ہو کر جلد از جلد فوجی آمریت سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اگر فوجی اقتدار مزید مسلط رہا تو خدشہ ہے کہ پورا ملک کشت و خون کا شکار کر دیا جائے۔

متحدہ مجلس عمل کے نائب صدر اور مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سربراہ پروفیسر ساجد میر نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف حکومتی آپریشن کو ظالمانہ قرار دیتے ہوئے اس کی تمام تر ذمہ داری جنرل مشرف پر عائد کی۔ انہوں نے کہا کہ میں لال مسجد ایشو پر علماء اور چودھری شجاعت حسین کے درمیان مذاکرات کو بھی جنرل مشرف نے سبوتاژ کیا۔ انہوں نے خطرہ ظاہر کیا کہ اس واقعے کے بعد حکومت کو ملک کے مختلف حصوں میں اپنی رٹ قائم کرنے میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ متحدہ مجلس عمل کے رہنما حافظ حسین احمد نے کہا کہ سپریم کورٹ کی جانب سے لال مسجد کے حوالے سے از خود نوٹس کے بعد آپریشن اور مذاکرات توہین عدالت کے زمرے میں آتے ہیں۔ انہوں نے عدالت عظمیٰ سے اپیل کی کہ وہ اس توہین عدالت کا بھی از خود نوٹس لے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام آباد کی حفاظت پر 22 ارب روپے سالانہ خرچہ آتا ہے مگر اس کے باوجود لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں بقول حکومت دنیا بھر کے جنگجو اور بھاری اسلحہ پہنچ گیا۔ اس پر وفاقی وزیر داخلہ آفتاب شیر پاؤ اور سیکرٹری داخلہ کمال شاہ کو مستعفی ہو جانا چاہئے۔

حکومت کو چاہئے کہ وہ ان کے اور دیگر ذمہ داروں کے خلاف مقدمات درج کر کے انہیں گرفتار کرے کیونکہ ان کی وجہ سے اسلام آباد ایک بڑی تباہی سے دوچار ہوا اور دنیا بھر میں ملک کی بدنامی ہوئی۔

جماعت اسلامی پنجاب کے قائم مقام امیر اظہار اقبال حسن، نائب امیر ظفر جمال بلوچ، ڈاکٹر سید وسیم اختر اور جماعت اسلامی پنجاب کے سیکرٹری جنرل سید وقاص جعفری کے مطابق فوجی حکمران نے ملک کو بیروت بنا کر خانہ جنگی میں بدل دیا انہوں

نے کہا کہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں آپریشن سے طلبہ و طالبات کی ہلاکتیں انتہائی افسوسناک پہلو ہیں پوری قوم میں اس آپریشن کے خلاف شدید رد عمل پایا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جنرل پرویز مشرف اگر ملک کی بقاء اور سلامتی چاہتے ہیں تو فوراً اقتدار سے الگ ہو جائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ لال مسجد کے معاملے کو صدر پرویز مشرف نے جان بوجھ کر ڈھیل دی تا کہ یہ چھوٹی سی پھنسی بڑھ کر پھوڑا بن جائے اور وہ انتہاء پسندی کے خاتمے کے نام پر ایک بڑا آپریشن کر کے امریکہ، برطانیہ اور چین سے شاباش حاصل کر سکیں۔ حکمران اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لال مسجد کا معاملہ اس مایوسی کا نتیجہ ہے جو ملک میں گزشتہ ساٹھ برسوں میں نفاذ شریعت کی طرف پیش رفت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ جماعت الدعوہ پاکستان کے امیر پروفیسر حافظ محمد سعید نے کہا کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف طاقت کے استعمال سے حالات مزید خراب ہوں گے۔ مسئلہ افہام و تفہیم کے ذریعے حل ہونے کے قریب تھا لیکن ایک سازش کے تحت مسلم لیگ (ق) کے سربراہ چودھری شجاعت حسین اور علماء لال مسجد انتظامیہ کے درمیان ہونے والے معاہدہ کو سبوتاژ کر کے پورے اسلام آباد کو خاک و خون میں نہلا دیا گیا گزشتہ روز اپنے ایک بیان میں انہوں نے کہا کہ لال مسجد کے خلاف آپریشن کر کے حکومت نے انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔

ہر شخص پریشان ہے کہ دونوں اطراف میں بہتے ہوئے خون کو کس کے ہاتھ پر تلاش کیا جائے؟ انہوں نے کہا کہ آپریشن سے نہ صرف ملک کے اندرونی معاملات

کشیدہ ہوئے ہیں بلکہ بیرون ملک بھی اسلام پاکستان اور مسلمان بدنام ہوئے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ملک پاکستان کو اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھے۔

اتنا بڑا قومی نقصان ہو گیا عوام لبوں پر ہزاروں سوال لئے نوحہ کناں ہیں کہ
اصل مجرم کون ہے سزا کس کو ملے کہ ایسے سیاہ دن دوبارہ نہ دیکھنے پڑیں۔ ان حالات
میں مفتی اعظم پاکستان رفیع عثمانی کے اس بیان نے معاملہ اور الجھاد دیا ہے۔ ان کا کہنا
ہے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے اندر آپریشن کے دوران سیوریٹی فورسز کے ہاتھوں
مارے جانے والے وہ تمام لوگ شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو چکے ہیں جن کا مقصد
خالصاً اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنا تھا اور وہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اس
طریقہ کار کو حتمی سمجھتے تھے۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی نے لال مسجد کے مرنے
والوں کے لئے شہادت کا فتویٰ جاری کر دیا اگرچہ ان کا طریقہ کار پارکستانی آئین و
قانون کے خلاف ہی کیوں نہ تھا لیکن ان میں سے کسی کی نیت دنیاوی شہرت حاصل کرنا
ہو تو وہ صحیح نہیں کہلائے گا جبکہ سیوریٹی فورسز کے بھی اہلکار شہید ہیں جو حکمرانوں کی
اطاعت کے لئے آئین اور قانون کی بالادستی کے لئے لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں۔

لال مسجد تنازع وطن عزیز کے سیاسی اور سماجی منظر نامے پر اہم اور دور رس
اثرات مرتب کرے گا۔ ملک میں مذہبی رواداری اور ہم آہنگی کے لئے جو کوششیں کی
جاری ہیں وہ بھی اس سے متاثر ہوں گی۔ ملک میں اس وقت روشن خیال اعتدال پسند
قوتوں اور سخت گیر و انتہا پسند عناصر کے درمیان جو رسہ کشی جاری ہے اس پر بھی اس بات
کے گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دارالحکومت میں جنم لینے والے مذہبی عسکریت

پسندی کے اس المناک مظاہرے پر پوری دنیا کی نظریں مرکوز رہی ہیں۔ حکومت اور شدت پسند عناصر کے درمیان جاری کشمکش کا عملی اظہار قرار دیا جا رہا تھا۔ بہر حال محبت وطن حلقوں کی جانب سے کیا جانے والا یہ مطالبہ اب زور پکڑ رہا ہے کہ پاکستان کو 21 ویں صدی کے تقاضوں کے مطابق ایک جدید فلاحی اسلامی ریاست بنانے کے لئے ضروری ہے کہ سنگدلانہ اقدامات کے بجائے ان اسباب و عوامل کو ختم کیا جائے جن کے بطن سے عدم رواداری اور مذہبی جنونیت جنم لے کر لال مسجد جیسے تنازعات کی بنیاد بنتی ہے۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے واقعات نے نہ صرف دینی مدارس بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے امیج کو بھی متاثر کیا ہے حالانکہ یہ سارا عمل چند افراد کا کیا دھرا ہے۔ تمام مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن جو کچھ ہوا جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے اس کے عبرتناک نتائج سے مفر نہیں اور اس کے بعد ہم سب کو تمام دینی جماعتوں، علمائے کرام اور دینی مدارس کے منتظمین کو یہ سوچنا ہوگا کہ آخر ایک مسجد اور دینی درسگاہ کے واقعہ کے باعث جتنا خون بہا، جتنے بے گناہ افراد کی جانیں گئیں ان کی بنیادی وجوہات کیا تھیں؟ باقی مدارس میں تو اتنا اسلحہ موجود نہیں صرف اسلام آباد کے ایک دینی مدرسے میں اس کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی یہاں تک کہ پاک فوج کو اس کے خلاف آپریشن کرنا پڑا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے جہاں بھی ایسے انتہا پسند عناصر کی موجودگی کا پتہ چلے ان کی نشاندہی ہو تو بلا تاخیر ان سے بات چیت کی جائے۔ انہیں مثبت اور تعمیری فکر و عمل کا راستہ دکھایا جائے۔ اس کے لئے علماء کرام کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

صوبہ سرحد اور خاص طور پر قبائلی علاقوں میں جو صورتحال پیدا ہو چکی ہے اور حالات میں تیزی سے تبدیلی رونما ہو رہی ہے وہ حکومت کے لئے خصوصی طور پر توجہ طلب ہے۔

اسلام آباد کے واقعات کے رد عمل کے طور پر قبائلی علاقوں اور صوبہ سرحد کے کئی شہروں میں حالات نازک صورتحال اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اس لئے پوری قوم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ وسیع تر قومی اور ملکی مفادات اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغربی ذرائع ابلاغ کے معاندانہ طرز عمل اور الزام تراشیوں کے ازالے کے لئے ایسا لائحہ عمل اختیار کرنے میں تاخیر نہ کرے جس پر عملدرآمد کرتے ہوئے آئندہ ایسے المناک واقعات کو رونما ہونے سے روکا جاسکے۔



میڈیا کا کردار

لال مسجد آپریشن کے دوران پاکستانی صحافیوں نے ایک بار پھر پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کی ایک عظیم مثال قائم کی۔ جب دونوں جانب سے موت زندگی کی پرواہ کئے بغیر اسلحہ کا بے دریغ استعمال ہو رہا تھا اور چار سو موت خاموشی یا دھماکوں کا پہرہ تھا۔ واحد نہتہ انسان صحافی تھے جو ان زندگیوں کی پرواہ کے بغیر پیشہ وارانہ فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس موقع پر ایک صحافی محمد جاوید خان نے

شہادت کا درجہ بھی پایا۔

محمد جاوید ذرائع ابلاغ کے ان بیسیوں نمائندوں اور کارکنوں میں سے ایک تھے جو ہاتھوں میں قلم، کاپی، موبائل فون اور کیمرے تھامے لال مسجد کے باہر برپا تشدد، شیلنگ اور گھیراؤ کی کورتج میں مصروف تھے، شدید فائرنگ اور آنسو گیس شیلنگ کے باوجود اپنے مورچوں سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ شہید جاوید خان اسلام آباد سے شائع ہونے والے روزنامہ مرکز میں رپورٹر ہونے کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے ایک نجی ٹی وی چینل کے کیمرہ مین بھی تھے۔ ان کے والد معراج گل کپیشیل ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں ملازم تھے۔ ان کا تعلق چارسدہ سے تھا۔ لیکن زندگی کے آخری لمحات اسلام آباد میں گزارنے گئے تھے۔

جاوید کے تین چھوٹے بچے ہیں جن میں سب سے بڑی بیٹی 6 سال کی آمنہ اور سب سے چھوٹا بچہ ایک سال کی مصباح ہے۔ جواب کبھی اپنے باپ کو نہیں دیکھ سکے۔ جاوید ایک ایسا گمنام سپاہی ہے۔ جس کی شہادت لال مسجد کے شعلوں میں دب کے رہ گئی۔

لال مسجد کے باہر رپورٹنگ کرتے ہوئے گولی، پتھر اور شیل لگنے سے کئی درجن صحافی زخمی ہوئے جن میں ایک غیر ملکی نجی ٹی وی چینل کا کیمرہ مین اسرار احمد ریڑھ کی ہڈی اور بازو میں دو گولیاں لگنے کی وجہ سے ایک مقامی ہسپتال میں زیر علاج ہے۔

جاوید خان کے ساتھیوں کے لئے وہ لمحہ کتنا جاں گسل ہوگا۔ جب انہیں خود اپنے ساتھی کو خبر کا حصہ بنانا پڑا ہوگا۔ جاوید خان کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ چند لمحے قبل جاوید مرحوم نے کہا تھا کہ یار حالات چاہے جتنے خراب ہوں مجھے تو اپنی

ڈیوٹی پوری کرنی ہے اور پھر وہ اپنی ڈیوٹی پوری کرتے کرتے اپنی زندگی کے فرض سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ بقول جاوید خان کے ساتھ زندگی ہتھیلی پر رکھے کورتج کرنے والے صحافیوں کے اچانک فائرنگ شروع ہوئی۔ دھماکوں اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ نے سارا ماحول خوفزدہ کر دیا۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس سمت سے فائرنگ ہو رہی ہے۔ اچانک انہیں اپنے قریب کسی کے مرنے کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے مڑ کے دیکھا تو کوئی اور نہیں ان کا اپنا ہنستا مسکراتا جاوید خان خون میں لت پت پڑا تھا۔ وہ آخری سانس لے رہا تھا۔ جاوید کے صحافی دوستوں کے مطابق وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا تھا۔ تاہم انہوں نے ایسبولینس کیلئے بھاگ دوڑ کی اور اسے بمشکل ایسبولینس میں ڈالا۔ تاہم جاوید خان جانبر نہ ہو سکا اور خالق حقیقی سے جا ملا۔

سانحہ لال مسجد کی کورتج کرنے والے رپورٹرز، کیمرہ مینوں اور الیکٹرانک میڈیا کے نمائندوں کی بہادری جانفشانی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ مشکل ترین حالات اور ریڈ زون میں زندگی داؤ پر لگا کر کورتج کرنے کی مثالیں بہت کم ہیں۔ عراق و افغانستان اور فلسطین میں کام کرنے والے صحافی ان حالات کا شکار ہوتے ہیں لیکن اس کے عوض انہیں پرکشش معاوضے لمبی تنخواہیں اور مراعات حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن پاکستان میں صحافی جن مشکلات کسمپرسی اور کم وسائل میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ مشکلات، تشدد، گرفتاریاں اور بسا اوقات جان کی قربانی دیتے ہیں۔ وہ قابل تحسین ہے۔ جاوید خان کے اہل خانہ سوچ بھی نہیں سکتے ہوں گے کہ خبر کی تلاش میں جانے والا جاوید خود ایک خبر کی شکل میں ان کے سامنے آئے گا۔ ایک ایسی خبر جو ہمیشہ آہوں، سسکیوں اور آنسو کا سبب بنے گی۔ یہاں میں ان صحافیوں کو بھی سلام پیش کروں گا جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ساتھی کا لاشہ اٹھایا۔ اس کی میت کو ورثاء کے حوالے کیا اور پھر میدان عمل میں اتر گئے۔

اس سے قبل معروف چینل 'جیو' کے بیورو چیف ابصار عالم بھی سر میں پتھر لگنے سے زخمی ہو گئے۔ انہیں مقامی ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا ہے۔ ابصار عالم کا کہنا تھا کہ وہ لال مسجد کے سامنے واقع ایک سکول کی دیوار کے ساتھ کھڑے تھے کہ اچانک ان کے سر پر کوئی بھاری چیز لگی جس کے بعد وہ گر گئے اور تھوڑی دیر میں ان کے ایک ساتھی نے ان کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر ہسپتال پہنچایا۔

ٹی وی چینل 'سی این بی سی' کے کیمرہ مین اسرار بھی بازو میں گولی لگنے سے زخمی ہو گئے۔ کراچی سے شائع ہونے والے اخبار 'اسلام' سے منسلک عقیل الرحمن کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے اور ان سے بدتمیزی بھی کی۔ یہ امر بھی قدرے افسوسناک ہے کہ ایک طرف تو صحافی اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے گولیوں کا سامنا کر رہے تھے۔ دوسری جانب واقعہ کے دونوں فریق بھی ان کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کرتے رہے ہیں۔ ایک وقت ایسا ہی آیا کہ فوج نے اعلان کیا کہ اگر کوئی صحافی ریڈ زون یا پابندی لگائے گئے ہسپتالوں میں نظر آیا تو انہیں گولی مار دی جائے گی۔ دوسری جانب جامعہ حفصہ کے طالب علم بھی جا بجا صحافیوں کو اپنی شدید تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔ بعض مقامات پر ان کی جانب سے صحافیوں پر تشدد بھی کیا گیا۔ تاہم واقعہ کی کوریج کرنے والے صحافی ان تمام آلام کا بہادری سے مقابلہ کرتے رہے۔ اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔

آپریشن سائلنس سے پہلے اور بعد میں الیکٹرانک میڈیا کا کردار بھی قابل تعریف ہے۔ خصوصاً جیو، اے آر وائی اور آج نے جس طرح واقعہ کے ایک ایک پہلو بھی کھنگالا اور ناظرین تک اس کے اثرات و مضمرات پہنچائے اور پاکستانی الیکٹرانک میڈیا کی تاریخ میں ایک روشن باب ہے۔ یہاں یہ امر قابل تحسین ہے

کہ میڈیا نے نہ صرف صورتحال کی سنگینی کا احساس کیا بلکہ اس حساس نوعیت کے حادثے کی انتہائی ذمہ داری سے کوریج کی۔ یہ کہا جائے کہ جامعہ حفصہ کے طلباء کو بحفاظت بازیاب کرانے میں الیکٹرانک میڈیا کا بہت اہم کردار تو غلط نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر شاہد مسعود، کامران خان، حامد میر، عائشہ بخش، فرحان شبیر، طلعت حسین کے علاوہ عاصم رانا، ارشد وحید، سبوح سید آصف علی بھٹی، نصر اللہ ملک، اظہر فاروق، فیصل حکیم نے جس طرح اپنے بے لاگ تبصروں میں ایک پراسرار اور خونی ڈرامے کے کرداروں کو بے نقاب کیا اور تاریخ کا حصہ بن گیا ہے۔ اس کے ساتھ میڈیا نے لال مسجد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور وہ فریق جو ایک دوسرے کی شکل دیکھنا تو دور بات سننے کے روادار نہیں تھے۔ انہیں فریق لانے کی کوشش کی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یوں لگا جیسے ڈاکٹر شاہد مسعود تنہا ڈیڈ لاک توڑنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ غازی عبدالرشید اور وزیر داخلہ شیر پاؤ کو ایک پلیٹ فارم میں اکٹھا کر دینا ان کٹھن اعصاب شکن حالات میں بہت بڑا بریک تھرو تھا۔ یوں لگتا تھا کہ دونوں جانب سے گنجائش پیدا ہو گئی ہے۔ بد قسمتی سے ایک بربریت کے ڈرامے میں ان کرداروں کو جو اندھیروں میں گھات لگائے بیٹھے تھے یہ پلیٹ فارم قابل قبول ہی نہیں تھا۔ کئی روز سے اپنے اعصاب چٹانے والی قوم میں ایک امید کی کرن پیدا ہوئی لیکن کچھ ہی دیر بعد دونوں جانب سے تند و تیز بیانات کے اندھیرے میں ڈوب گئی۔

کامران خان اور حامد میر نے جس طرح اپنے پروگرامز میں واقعہ کا حصہ بننے والے بعض کرداروں کے منافق چہروں کو اپنے ہلکے پھلکے انداز میں بے نقاب کیا۔ وہ پروفیشنل ازم کی روشن مثالیں ہیں۔ اس موقع پر کامران اور حامد میر نے تمام

فریقوں کو اکٹھا کیا۔ قوم کے سامنے سب کے موقف لائے اور سچ اور جھوٹ دودھ اور پانی کو عوام کے استدلال اور قوت فیصلہ کے حوالے کیا۔ وہ ایسے نازک مرحلے پر قوم کو اصل حقائق جاننے کا موقع فراہم کرنے کی عمدہ ترین کوشش تھے۔ الیکٹرانک میڈیا کا اتنے بڑے کنونینس پر کوریج نے سرکاری ٹی وی کی حیثیت صفر کے برابر کر کے رکھ دی۔ تاہم اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عوام کی ایک بڑی تعداد نے جیو، اے آر وائی اور دیگر چینلز کے بجائے پی ٹی وی کو ہی دیکھا۔ تاہم یہ وہ مقامات تھے جہاں ابھی تک کیبل نہیں پہنچ سکی۔

سانحہ لال مسجد پاکستانی تاریخ کا ایک سلگتا باب ہے ایک ایسا رستا زخم ہے جو کبھی مندمل نہ ہو سکے۔ جس کے اثرات آنے والے دنوں میں پاکستان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تاریخ میں یہ سانحہ ہمیشہ مہم جوئی، اندھے پن، عجلت، تہذیبوں کے تصادم کے آغاز اور حکومتی بے حسی کے نام پر یاد رہے گا۔ وہیں یہ سانحہ ہمیں صحافیوں کے عظیم کردار اور قربانیوں کی روشن مثال یاد دلاتا رہے گا۔

فوجی جوانوں کی قربانی

3 جولائی 2007ء کو وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں مرکزی جامع لال مسجد، جامعہ حفصہ کی تنظیمیں، طلباء و طالبات اور سیکورٹی فورسز کے درمیان ہونے والے خونریز تصادم کے آغاز سے 10 جولائی 2007ء کو ہونیوالے اختتام تک جہاں سینکڑوں لوگ جاں بحق ہوئے بے موت مارے گئے وہاں سیکورٹی فورسز کے افسروں سمیت اہلکار اپنی جانوں سے گئے جن میں 3 جولائی 2007 کو رینجرز کالانس نائیک مبارک

حسین 7 اور 8 جولائی کی درمیانی شب لیفٹیننٹ کرنل ہارون السلام 10 جولائی 2007 کو حتمی آپریشن کے دوران کیپٹن سلمان لودھی، کمانڈر محمد خاں، لانس نائیک نصیر، لانس نائیک افراسیاب، لانس نائیک صدیق اور حوالدار خاں ایم شامل ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس آپریشن کے کیا مقاصد تھے کس نے کیا فائدہ اٹھایا۔ پاک فوج کے بہادروں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپریشن کی منصوبہ بندی کرنے والوں کی نارمل ایک جانب ان کمانڈوز نے بہترین پرفیشنل فائٹرز ہونے کا مظاہرہ کیا اور کم سے کم نقصان کے ساتھ مشن مکمل کرنے کی کوشش کی۔ افسوس دوسری بھائیوں اور سنگ دل حکمرانوں کی جنگ میں لیفٹیننٹ کرنل ہارون السلام کیپٹن سلمان لودھی سمیت 11 جری بہادر جوان شہید ہوئے انہوں نے اپنی جان کی قربانی دیکر اپنے فرض کو پورا کیا۔



سانحہ لال مسجد کے جواب طلب سوالات

3 جولائی 2007 بروز منگل اسلام آباد کی مرکزی جامع لال مسجد جامع حفصہ کی تنظیمیں، طلباء و طالبات اور سیکورٹی فورسز کے درمیان شروع ہونے والا خونی جھگڑا 10 جولائی 2007ء بروز منگل کو پیشل سروسز گروپ کے کمانڈوز کی کارروائی کے دوران لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید کے دو طرفہ فائرنگ کے نتیجہ میں جاں بحق ہونے پر سینکڑوں جانوں کا نذرانہ لینے کے بعد اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا جس کے بعد سیکورٹی فورسز نے آخری مرحلے میں سرچ آپریشن کے ذریعے ”سائلنس“ آپریشن مکمل کر لیا ادھر رجھان میں مولانا عبدالرشید غازی کی نماز جنازہ اُن کے بھائی جامع لال مسجد کے گرفتار خطیب مولانا عبدالعزیز نے پڑھائی جس کے بعد اُن کی غیر موجودگی میں

تدفین کا عمل بھی پورا ہو گیا لیکن سانحہ لال مسجد اپنے پیچھے ایسے ان گنت سوالات چھوڑ گیا جن کے جوابات ملنے پر ہی یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ قوم کو خون کے آنسو لانے والا یہ سانحہ جامع مسجد کے خطیب اور نائب خطیب دو بھائیوں مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبد الرشید کی جانب سے حکومت سے نفاذ شریعت کا مطالبہ کرنے پر ہونے والا ”جہاد“ کا نتیجہ ہے یا پھر پاکستان کے روشن خیال صدر جنرل پرویز مشرف کی ملک کی بقاء کے لیے شروع کی جانے والی مذہبی جنونیوں، عسکریت پسندوں اور دہشت گردی جنگ کے دوران دو اسلام پسند بھائیوں کی جانب سے ریاست کے اندر ریاست قائم کر کے حکومت رٹ کو چیلنج کرنے کے نتیجے میں ہونے والی جنگ ہے ان ہی سوالوں کے جواب سینکڑوں جانوں کے ضیاع کا راز پوشیدہ ہے ان ہی سوالوں کے جواب میں تو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس تنازعہ کا پُر امن حل کیوں نہیں نکل سکا اور مذاکرات کا عمل آخری لمحوں میں کیونکر سبوتاژ ہو گیا ہے پوری قوم یہ جاننے کے لیے بے قرار ہے سانحہ لال مسجد اپنے پیچھے بے شمار ایسے سوال چھوڑ گیا ہے جن کا جواب شاید وقت دے سکے۔ شاید یہ سوال کبھی جواب نہ پاسکیں۔ لال مسجد سے وابستہ راز کبھی افشاء نہ ہو سکیں۔ اور 60 سال سے اس ملک میں جاری سازشوں، توڑ جوڑ، سیاسی قتلوں حادثوں کی طرح لال مسجد سے وابستہ بہت سے راز تاریخ کے سینے میں دفن ہو جائیں۔ تاہم یہ سوال خود اپنی ذات میں ایک خواب ہیں۔ یہ سوال خود حقائق ہیں۔ اور یہ سوال ہمارا مجرم تلاش کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ ہمارا مجرم ان سوالوں میں ہی پوشیدہ ہے۔ لال مسجد میں حکومت کے خلاف جنگ بندی ہوتی رہی اور پرندوں کے پر گن لینے والی ایجنسیاں اس سے لاعلم رہیں یا دانستہ نظر انداز کرتی رہیں۔ کیوں؟ غازی برادران کی سرکشی بڑھتی رہی۔ ان کی تقاریر اور عملی بغاوت سر ابھارتی رہی پھر بھی حکومت اور ایجنسیاں کس دن کا انتظار کرتی رہیں۔

- 1- بھارت جیسے ملک نے اپنے شہریوں کی جان بچانے کے لیے طیارہ اغوا کرنے والوں کے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے مولانا اظہر سعید، فضل الرحمن خلیل اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا تھا ایسے میں ہماری حکومت نمازی برادران کو محفوظ راستہ دے کر سینکڑوں جانیں کیوں نہ بچا سکی۔ 6 ماہ سے جاری اس کشمکش کو اچانک ہی کیوں سختی سے کچلنے کا ارادہ کر لیا گیا۔
- 2- اس میں دوسری طرف 2 انٹیلی جنس ایجنسیوں کی موجودگی میں جامعہ حفصہ کے اندر غیر ملکی اور اتنی بڑی مقدار میں اسلحہ کیونکر جمع ہو گیا۔
- 3- سیکورٹی فورسز نے آپریشن مکمل ہونے کے بعد جامعہ حفصہ سے ملنے والا جو اسلحہ دکھایا وہ دہشت گردوں کے زیر استعمال ہونے اور جامعہ حفصہ کی گولہ باری سے ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے باوجود اس قدر صاف ستھرا اور نیا کیوں تھا
- 4- جامعہ حفصہ میں چھپے ہوئے ایسے عسکریت پسند جنہوں نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے موت کو گلے لگا لیا ان کے پاس راکٹ لانچر، بم اور جدید قسم کی مشین گنیں موجود تھیں تو انہوں نے آپریشن کے کسی بھی لمحہ یہ تمام چیزیں یا کچھ اسلحہ استعمال کیوں نہیں کیا وہ محض فائرنگ کا جواب فائرنگ سے کیوں دیتے رہے کیا خود کش جیکٹس تقسیم کرنے والے آخری لمحات میں خود کو دھماکوں سے نہیں اڑا سکتے تھے؟
- 5- آئی ایس آئی کے سابق سرگرم رکن خواجہ خالد کو عین اس وقت کیوں گرفتار کیا گیا جب وہ لال مسجد کے پُر امن حل کے لیے رابطہ عالم اسلامی کی قیادت سے بات چیت کر رہے تھے۔
- 6- وہ کون لوگ ہیں جن کی پشت پناہی کی بناء پر دونوں بھائی حکومت سے جھگڑا

گئے اور نفاذِ شریعت کے لیے ڈٹ گئے حکومت ایم ایم اے اور دیگر مذہبی جماعتوں کے اکابرین ایک طرف مذاکرات اور معاملے کے پُر امن حل کے لیے ”آئیاں جانیاں“ دکھاتے رہے اور دوسری طرف وہ در پردہ ”ڈٹے رہو غازی“ پکارتے رہے۔ اور ان کی ہلہ شیری نے قوم کو ایک ہفتہ سے زیادہ اعصابی کشمکش کا شکار رہا۔ یہ کون لوگ تھے اور وہ ایسا کیوں کرتے رہے؟

7- وہ کونسا وفاقی وزیر ہے جو مولانا عبدالعزیز کو یہ کہتا رہا کہ آپ ہی نفاذِ شریعت کے لیے کچھ کر سکتے ہیں اور آپریشن شروع ہونے پر اس نے مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے اپنی بے بسی کا اظہار کر دیا۔ اس کے منافقانہ عمل نے اتنے بڑے سانحہ کو جنم دیا۔

8- جامع لال مسجد کے خطیب کو جب گرفتار کر لیا تھا تو کن قوتوں نے انکی تذلیل کرتے ہوئے برقعہ میں ملبوس کر کے ایک ٹی وی چینل پر ان کا انٹرویو نشر کروایا اس تذلیل کے بعد غازی کے موقف میں نہ صرف سختی پیدا ہوئی بلکہ معاملات پوائنٹ آف نو ریٹرن پر پہنچے۔ اپنے بھائی کی تذلیل کے بعد غازی کا حکومتی دعووں اور مذاکرات میں بیٹھے شکاریوں سے اعتماد اٹھا۔ مولانا عبد العزیز کی دانستہ تذلیل کیوں کی گئی؟

9- وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے جامعہ حفصہ کی طالبات کی غیر قانونی حرکات کے خلاف پولیس کو کارروائی سے روکے رکھا پولیس نے چلڈرن لائبریری قبضہ کے وقت ہی بھرپور ایکشن کیوں نہیں لیا؟

10- مولانا عبدالرشید غازی کے بار بار کہنے کے باوجود میڈیا کے ساتھ انکے مثبت تعلقات کے باوجود میڈیا کے لوگوں کو جامع لال مسجد کے اندر جانے سے

زبردستی کیوں روکا گیا پورے آپریشن میں میڈیا والوں کی خواہش کے باوجود انھیں جامع لال مسجد اور جامع حفصہ سے اس قدر دور رکھا گیا کہ وہ حقائق نہ جان سکیں۔

11- آپریشن مکمل ہونے کے بعد جامع حفصہ سے نکلنے والی لاشیں طلباء و طالبات کے والدین کو کیوں نہیں دکھائی گئی کہ وہ اپنے جگر گوشوں کو پہچانتے انھیں سیکورٹی فورسز کی نگرانی میں کیوں لاوارثوں کی طرح دفنایا گیا

12- طالبات اور طلباء جامع حفصہ سے خالی ہاتھ باہر آئے تھے پھر انکی قیمتی سامان مدرسے کے اندر سے ملنا چاہیے تھا یہ سامان کہا چلا گیا؟

13- جامع حفصہ سے نکلنے والی طالبات کے والدین انھیں ڈھونڈ رہے ہیں لیکن ان طالبات کا کہیں پتہ نہیں لگ رہا آخر وہ طالبات کہاں گئی؟

14- جامع حفصہ کے اندر سیکورٹی فورسز کا دعوؤں کے مطابق 1200 طالبات موجود تھیں وہ زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟ اگر ماری گئی ہیں تو ان کی لاشیں کہاں ہیں؟

15- جامع حفصہ کے اندر ہزاروں لوگ موجود تھے ان کے کھانے پینے کا نظام کیسے چل رہا تھا جب میڈیا والوں کو جامع حفصہ کا دورہ کرایا گیا تو جامع کے بعض حصوں میں انھیں جانے سے کیوں روک دیا گیا اور جامع حفصہ کے باورچی خانے میں اس وقت بھی چولہوں میں آگ جل رہی تھی وہ کون تھا جو وہاں کچھ پکا رہا تھا اور کس کے لے پکا رہا تھا؟

16- میڈیا کو ہسپتالوں اور قبرستان سے کیوں دور رکھا گیا؟

17- آپریشن مکمل ہونے پر حکومتی ترجمانوں نے تضادات سے بھری ہوئی

معلومات کیوں میڈیا والوں کو دیں؟

18- آپریشن کے دوران عبد الرشید غازی سے موبائل فون سے رابطہ کرنے معلومات دینے کا رڈ لوڈ کرانے کے الزام میں 65 افراد گرفتار کیے گئے تھے وہ لوگ کہاں اور ان سے کیا معلومات حاصل ہوئیں۔

19- عبدالستار ایدھی نے 400 کفن دے دینے کے بعد کس کے کہنے پر 800 کفن تیار کیے اور کیوں؟

20- وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے کامیاب ہوتے ہوئے مذاکرات کو بار بار کامیاب ہونے سے روکا اور مذاکرات کے عمل کو سبوتاژ کیا۔

21- جب سیکورٹی فورسز جامعہ حفصہ پر فائرنگ کرتی تھیں تو اُس کے تھوڑی دیر بعد مارگلہ کی پہاڑیوں سے بھی فائرنگ کی آواز کیوں آئی تھی؟

22- جب جنرل ضیاء الحق نے پاکستانی جہاز اغوا ہونے پر ان الاذوالفقار کے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے بڑی تعداد میں لوگوں کو رہا کر دیا تھا تو سینکڑوں جانیں بچانے کے لیے مولانا عبد الرشید غازی کے مطالبے پر انہیں ”محفوظ راستہ“ دے کر سینکڑوں جانیں کیوں نہ بچائی گئیں؟

23- جامعہ حفصہ میں غیر ملکی موجود تھے تو ان کی لاشیں کہاں ہیں؟ کیا میڈیا کو دکھانے کے لیے کچھ لاشیں تیار کی جا رہی ہیں؟

24- چوہدری شجاعت نے کن خفیہ ہاتھوں کا ذکر کیا تھا جنہوں نے بار بار مذاکرات کے عمل کو سبوتاژ کیا۔ یہ خفیہ ہاتھ کیا شجاعت جیسے با اثر آدمی سے بھی طاقتور تھے۔ اس سسٹم میں ان سے طاقتور اور کتنے افراد ہیں؟

مولانا عبد الرشید کو عام معافی دینے سے کوئی قیامت برپا ہونے والی تھی۔

محفوظ مستقبل کے لیے حکومت اور علماء مسلسل مذاکرات کریں

ملک کی تاریخ میں ایک اور ایسے کا اضافہ ہو گیا ہے۔ کچھ اور آگ، دھواں، مسلح تصادم، خون، پھر مسلمان آپس میں برسرِ پیکار۔ لاشیں، استفسار، کون شہید، کون جاں بحق، کون ہلاک، مسجد میں دو بدولٹائی۔ جامعہ حفصہ میں بکرز، مزاحمت، زخم زخم انسانی جسم۔ یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا۔ برسوں سے اس انجام تک پہنچنے کے لیے حکومت میں علماء، طلباء و طالبات اساتذہ، ایجنسیاں، میڈیا، اپنا اپنا کردار بھرپور انداز سے ادا کر رہے تھے۔ تدبر اور تاریخ کا ادراک رکھنے والے خطرے کی گھنٹیاں بجارہے تھے۔ کہا جا رہا تھا کہ حکومت اپنی اتھارٹی کیوں قائم نہیں کر رہی۔ اب جب حکومت نے اپنی رٹ، اپنا اختیار منوالیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنی رٹ قائم کرنے کے لیے قیمت

بھی ادا کرنی پڑتی ہے، سو وہ ادا ہوئی ہے۔ آٹھ قیمتی تربیت یافتہ سیکورٹی اہلکاروں کی جانیں اس کی نذر ہوئی ہیں۔ سب سے پہلے کرنل ہارون الاسلام کی شہادت اسی آپریشن میں ہوئی ہے۔ بڑی تعداد میں مسلح مزاحمت کار بھی جان سے گئے ہیں۔ علاقہ ممنوعہ آزاد کروالیا گیا ہے۔ اب بہت سے سوالات اٹھ رہے ہیں۔ یہ پاکستان کی تاریخ کے آغاز سے ہی ہو رہا ہے بہت سے سوالات ساٹھ برس سے گردش کر رہے ہیں۔ ان کا غبار آج تک بیٹھا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ جس نے تصادم کی راہ اختیار کی یہ صرف موجودہ حکومت اور شدت پسند مذہبی عناصر کے درمیان کا تنازع نہیں ہے یہ فکری تصادم تو برصغیر میں قیام پاکستان سے پہلے سے اب تک چلا آ رہا ہے۔ یہ معرکہ آرائی تو سعودی عرب، یمن، مصر، ترکی، تیونس، انڈونیشیا، الجزائر کئی مسلم ممالک میں جاری ہے۔

یہ ایک غیر معمولی صورتحال ہے جو جامعہ حصہ میں آخری مزاحمت کار کی لاش گرنے سے ختم نہیں ہو گئی ہے اس آپریشن کے حوالے سے ملک میں حقائق کا ذکر بھی ہوگا، افسانے بھی تراشے جائیں گے، اس کا شدید رد عمل دینی مدارس کے طلباء و طالبات میں ہوگا۔ کچھ اظہار تو فوری مظاہروں، نعرے بازی اور پتھراؤ وغیرہ میں ہونا شروع ہو گیا ہے۔ یہ تو اتنا خطرناک نہیں ہوگا اس پر قابو بھی پایا جاسکتا ہے لیکن اس سے مدارس میں نوجوانوں کے ذہن جس طرح متاثر ہوں گے۔ پھر خود کش حملوں اور مسلح تصادم رونما ہوں گے مزید سانحے جنم لیں گے۔ سرحد میں بنوں، سوات، دیر میں تو پہلے ہی یہ سب کچھ شروع ہو چکا ہے۔ 1977 میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی پر تشدد تحریک سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا۔ پھر 1979 سے مذہبی جماعتوں اور تنظیموں کو بھرپور مالی، سماجی بالادستی حاصل ہوتی رہی ہے۔ افغانستان میں روسی مداخلت کی مزاحمت کے لیے امریکہ نے اپنے مقاصد کے لیے انہی مذہبی عناصر کے جذبات اور توانائیوں کو استعمال کیا۔ جنرل

ضیاء اس کے سہولت کار بنے۔ یہی عمل افغانستان، ازبکستان اور پاکستان کے شدت پسندوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا رہا۔ پشاور، افغانستان کے مختلف حصوں، امریکہ، یورپ، مشرق وسطیٰ اور سعودی عرب میں ان عناصر کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ایک انتہا پسند اسلامی تصور فروغ پاتا رہا۔ جس کو بعد میں مغرب ہی نے ”القاعدہ“ کے نام سے شناخت کیا اور 9/11 کا ذمہ دار قرار دیا۔

موجودہ حکومت نے 9/11 سے پہلے سے ہی فیصلہ کن اقدامات کا آغاز کر دیا تھا جس میں ضلعی حکومتوں کا تصور، پہلے انتخابات، معیشت کو واپس پٹری پر ڈالنا، آئی ایم ایف کے چنگل سے نجات، بعد میں عام انتخابات۔ اسمبلیوں کی مدت پوری کرنا، انتہا پسندی کا مسلسل مقابلہ، صوبائی خود مختاری کے لیے کوششیں، سرداری نظام کا خاتمہ۔ اس تناظر میں اسے سابقہ حکومتوں کی غلطیوں اور کام کرنے سے گریز کا ملبہ بھی اٹھانا پڑا۔ اس لیے اسے اکثر سانحوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مزید بحران ابھی کروٹ بدل رہے ہیں۔ لال مسجد تنازع ایک طویل پس منظر رکھتا ہے، اکثر مراحل سب کو معلوم ہیں۔ آخر میں اصل مسئلہ یہ رہ گیا تھا کہ یرغمالی بچے خواتین رہا کر دیئے جائیں اور مسلح افراد باہر نکلیں۔ سوچنا یہ چاہئے کہ کیا یہ ضروری اور درست نہیں تھا۔ چوہدری شجاعت حسین کے لیے نہ سہی، مفتی رفیع عثمانی اور دوسرے علماء کی خاطر ہی لال مسجد والے یہ قدم اٹھا لیتے۔ شہادت یقیناً مومن کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے جو بالآخر ہوا۔ یرغمالی بچے خواتین اگر مذاکرات کے دوران چھوڑ دیئے جاتے تو اس اقدام پر تحسین تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ عبدالرشید غازی کا مقوم ہوتی جو اب موجودہ حکومت کے نام رہی ہے۔ اس سے پہلے کئی ماہ سے چوہدری شجاعت حسین، اعجاز الحق، وفاق المدارس اپنی سی کوششیں کرتے

پر خطر راستے پر چلنے کے لیے تیار کیا جائے گا تو حکومت کو بھی بالآخر 10 جولائی کے ایکشن کے لیے آمادہ کیا جا رہا ہوگا۔ ملک اور دینی مدارس کے مفادات کو ساتھ ساتھ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ چند شخصیتوں کو اس بھری ہوئی صورتحال میں صرف اپنی پوزیشن محفوظ رکھنے کا نہیں سوچنا چاہئے۔

جامعہ حصہ کے منتظمین کی اسلحہ اور مسلح افراد کو جمع کرنے کی کارروائی سے لے کر ان کے بیانات، انٹرویوز اور برائیوں کے خلاف اسلام آباد میں از خود کارروائیوں نے بہت سے سوالات پیدا کئے ہیں کہ کیا علماء کا کردار سفارشات مرتب کرنا اور قرآن و حدیث کی تشریح و تعبیر ہے یا شریعت کا عملی اطلاق بھی ان کی ذمہ داری ہے۔ کیا وہ متبادل انتظامیہ بن سکتے ہیں۔ مملکت میں مجموعی اختیار پارلیمنٹ کے منتخب ارکان کے پاس ہے۔ قانون کی تشریح کا منصب سپریم کورٹ کو ہے یا کوئی بھی گروپ دین کے نام پر یہ اختیارات استعمال کر سکتا ہے یا کچھ گروہ علاقائیت، لسانیت، حقوق انسانی اور شہری آزادیوں کے نعرے بلند کر کے قانون اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ جب تک فوج اور خفیہ ادارے جائز یا ناجائز کچھ گروپوں کی مالی اور عسکری سرپرستی کرتے رہیں تو فوج اسلام کی سپاہ اور جب پالیسی بدل جائے تو وانا میں فوج کے شہداء کی نماز جنازہ بھی غیر شرعی قرار دے دی جائے۔ کیا تمام علمائے کرم اس فتوے سے اتفاق رکھتے تھے۔ 1979ء کی روس مخالف مہم میں امریکہ نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھرپور استعمال کیا۔ پاکستان میں قومی سیاسی جماعتوں کو کمزور کرنے کے لیے مذہبی اور لسانی تنظیمیں قائم کی گئیں، جرائم پیشہ عناصر کو تحفظ دیا گیا۔ یہ سلسلہ کامیابی سے سول سوسائٹی کی تشکیل میں رکاوٹ بنتا رہا لیکن اب گلوبلائزیشن کے دور میں انتہا پسندی کے خلاف کلچر میں یہ

سلسلہ نہیں چل پا رہا ہے۔ مصر، سعودی عرب، ترکی، کویت بحرین سب جگہ ہی اس کے خلاف فوجی کارروائیاں ہو رہی ہیں پاکستان اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے حکومت، سول سوسائٹی، قومی سیاسی جماعتوں پر یونیورسٹیوں اور دینی مدارس کو دو ٹوک موقف اختیار کرنا ہوگا۔ یہ پریشر گروپ اسی صورت میں اپنے انجام کو پہنچ سکتے ہیں۔ حکومت اور علماء کو مذاکرات صرف لال مسجد اور اس قسم کے تنازعات پیدا ہونے پر ہی نہیں کرنے چاہئیں۔ یہ مسلسل جاری رہنے چاہئیں۔ ان رویوں اور اسباب پر بھی کریں جن کے تحت مالاکنڈ، دیر اور دوسرے علاقوں میں سیکورٹی فورسز اور حکومت پر حملے کر کے جنت کا راستہ تلاش کیا جا رہا ہے۔ دینی مدارس کے طلباء و طالبات کی ذہنی اور جسمانی توانائیاں اسلام کے پرامن فروغ اور خود مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کی بہتر زندگی اور محفوظ معاشرے کے قیام کے لیے استعمال ہونی چاہئیں۔ یہ ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے جس کے سیاسی پہلو بھی ہیں، معاشی بھی، علمی اور سائنسی بھی۔ ان تمام پہلوؤں پر سنجیدگی سے کئی روزہ نشستوں سے بھرپور غور و تمحیص کے بعد لائحہ عمل طے کیا جائے تاکہ لال مسجد ایسے تنازعات رونما ہی نہ ہوں اور آخری لمحوں میں دوڑتے بھاگتے مذاکرات نہ ہوں۔ پھر جب ہونی ہو جائے، لاشیں گر جائیں تو گرد جھاڑ کر صرف اپنی پاک دامنی ثابت کرنے کی فکر کی جائے۔ ایسے رجحانات اور علامات اب بھی موجود ہیں۔ ایسے اقدامات اب بھی ہو رہے ہیں جو مستقبل میں کسی وقت بھی لال مسجد، جامعہ حفصہ جیسے فلیش پوائنٹ پیدا کر سکتے ہیں۔

محمود شام (بشکریہ روزنامہ جنگ)

34 افراد نے مذاکرات میں حصہ لیا

سانحہ لال مسجد کے پُر امن حل کے لیے آپریشن سائنس کے آخری مرحلہ کے آغاز سے قبل تک چوہدری شجاعت اور دو حکومتی افسروں سمیت 34 شخصیات نے مختلف مراحل کے دوران مذاکرات میں حصہ لیا جن کا تعلق حکومت، وفاق المدارس کے علماء ایم ایم اے اور ایم کیو ایم سے ہے حکومت کی جانب سے چوہدری شجاعت، وفاقی وزیر مذہبی امور اعجاز الحق، وزیر مملکت برائے اطلاعات طارق عظیم اور وفاقی وزیر سمیرا ملک، وفاق المدارس کے علماء میں سے مفتی رفیع عثمانی، مولانا حنیف جالندھری، حافظ عمار یاسر، ڈاکٹر محمد عادل، مولانا زاہد الراشدی، مفتی محمد، قاضی عبداللہ، مولانا حکیم، محمد مظہر، مولانا عبدالرزاق سکندر، مفتی محمد نسیم، مولانا فضل الرحمن وہ عالم دین ہیں جنہیں لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید غازی کی خواہش پر مذاکرات میں شامل کیا تھا ایم کیو

ایم کے وفد میں فاروق ستار حیدر رضوی، انور عالم شبینہ طلعت شامل تھیں ان سے مولانا عبد الرشید غازی نے بات چیت کرنے سے انکار کر دیا تھا ایم ایم اے کی جانب سے سب سے پہلے حکومت نے مولانا فضل الرحمن کو اس مسئلے کے پُر امن حل کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے کہا تھا جس پر مولانا فضل الرحمن 3 اور 4 جولائی کی درمیانی شب اسلام آباد پہنچے تھے ان کے بعد ایم ایم اے کے جس وفد نے مذاکرات میں حصہ لیا اس میں فرید احمد پراچہ، شاہ عبد العزیز، مولانا عبد المالک خلیل، قاری گل رحمن، سید بختیار، ڈاکٹر عطاء الرحمن، منیر محمد حسین ہاشمی، آصف لقمان قاضی، سیف اللہ گوندل اور الواحد جدون شامل تھے چوہدری شجاعت اور مولانا عبد العزیز اور مولانا عبد الرشید غازی کے درمیان لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے مسئلے کے حل کے لیے مذاکرات کا عمل کئی مہینوں پر محیط ہے جس میں کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ مذاکرات حل کے آخری مرحلے میں پہنچے تو پس پردہ بیٹھے کسی فرد کی وجہ سے مذاکرات کا عمل سبوتاژ ہو گیا جس کا اعتراف چوہدری شجاعت اور مولانا عبد الرشید غازی نے بھی کیا کہ کوئی ایک ایسا موجود ہے جو اس مسئلے کا پُر امن حل نہیں چاہتا لیکن دونوں نے اس آدمی کو بے نقاب نہیں کیا اگر چوہدری شجاعت یا مولانا عبد الرشید غازی بروقت اس آدمی کو بے نقاب کر دیتے تو شاید اس مسئلے کا پُر امن حل نکل آتا اور اتنی جانیں ضائع نہیں ہوتیں جامعہ حفصہ کے پُر امن حل کے لیے کامیاب ہونے والے آخری مذاکرات جنہیں بھی بعد سبوتاژ کر دیا گیا ان مذاکرات میں چوہدری شجاعت کے ساتھ اعجاز الحق، طارق عظیم اور وفاق المدارس کے علماء شامل تھے جنہوں نے جامع لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبد الرشید غازی سے مذاکرات کے بعد متفقہ طور پر ایک مسودہ تیار کیا تھا جس پر تینوں فریق متفق تھے اگر ان مذاکرات کو سبوتاژ نہ کیا جاتا تو سینکڑوں جانیں ضائع ہونے سے بچ جاتیں یہ مسئلہ پُر

امن طریقے سے حل ہو جاتا لیکن صدر جنرل پرویز مشرف کی جانب سے آخری مرحلے میں مسودے کو تبدیل کئے جانے کے بعد ایک فوجی کمانڈر کی جانب سے علماء کے ساتھ تحکمانہ انداز میں بات کرنے اور مذاکرات کے لیے صرف آدھا گھنٹہ دینے پر مذاکرات ”ڈیڈ لاک“ کا شکار ہو گئے اور 10 جولائی کی صبح 4 بجے خونی کھیل شروع ہو گیا جو شام 7 بجے جامع لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید کے جاں بحق ہونے کی تصدیق کے بعد بھی گھنٹوں جاری رہا جو لال مسجد کے درودیوار کو انسانی خون سے لال کر گیا، لیکن کوئی یہ نہ جان سکا کہ مذاکرات کو بار بار سیبوتاژ کرنے والے نے کن مقاصد کے پیش نظر حالات کو اس رُخ پر موڑا کہ قوم کے محافظوں کے ہاتھ اپنوں ہی کے خون سے رنگ گئے۔



باغی کی موت

مولانا محمد عبداللہ مرحوم اپنے چھوٹے صاحبزادے عبدالرشید غازی سے اکثر شاکی رہتے تھے۔ مولانا صاحب مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے سربراہ تھے اور ملک بھر کے علماء میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں عبدالعزیز اور عبدالرشید کو بھی عالم دین بنانے کا فیصلہ کیا۔ عبدالعزیز نے انتہائی رضا و رغبت سے دینی تعلیم حاصل کی لیکن عبدالرشید کو تاریخ پڑھنے کا شوق تھا۔ والد کو ناراض کر کے انہوں نے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے تاریخ میں ایم اے کیا۔ والد ان کی شادی خاندان میں کرنا چاہتے تھے لیکن عبدالرشید غازی نے بڑی منت سماجت کر کے انہیں اسلام آباد کی ایک ماڈرن فیملی میں شادی کیلئے راضی کیا۔ مولانا عبداللہ کے خاندان کی عورتیں گھر سے باہر نہ نکلتی تھیں لیکن عبدالرشید غازی کی اہلیہ اپنی سوزو کی آٹو

میں گھر سے نکلتیں تو انہیں گاڑی چلاتا دیکھ کر کچھ لوگ انگلیاں اٹھایا کرتے لیکن عبدالرشید غازی کو کسی کی پروا نہ تھی۔ ان کی جدت پسندی کا یہ مطلب قطعاً نہ تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے دور تھے۔ وہ زمانہ طالب علمی سے ایک باریش نوجوان تھے لیکن ہمیشہ یہ کہتے کہ اسلام صرف داڑھی اور ڈھیلا ڈھالا لباس نہیں ہے بلکہ اسلام ہمارے اندر ہونا چاہئے۔ 1998ء میں مولانا محمد عبداللہ نے مولانا ظہور احمد علوی، قاری سعید الرحمان اور کچھ دیگر علماء کے ہمراہ افغانستان کا دورہ کیا۔ مولانا صاحب اپنے باغی صاحبزادے عبدالرشید غازی کو بطور خاص ساتھ لے گئے۔ اس وفد کی قندھار میں ملا محمد عمر اور اسامہ بن لادن کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ عبدالرشید غازی نے اسامہ بن لادن سے علیحدگی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی لہذا ان کی ایک گھنٹہ تک علیحدہ ملاقات ہوئی۔ عبدالرشید غازی اپنے والد کی طرح عربی میں رواں نہ تھے لہذا انہوں نے اسامہ بن لادن سے انگریزی میں گفتگو کی اور کچھ تیکھے سوالات بھی کئے۔ اسامہ بن لادن نے اس نوجوان کے تمام سوالات کا جواب دیا۔ گفتگو کے آخر میں عبدالرشید غازی نے اسامہ بن لادن کے ساتھ پڑا ہوا گلاس اٹھایا اور ان کا استعمال شدہ پانی پی لیا۔ اسامہ نے حیرانگی ظاہر کی تو غازی نے جواب میں کہا میں نے آپ کا پانی اس لئے پیا تا کہ اللہ مجھے بھی مجاہد بنائے۔ قندھار سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد مولانا محمد عبداللہ کو لال مسجد کے احاطے میں ایک نامعلوم شخص نے گولی مار کر شہید کر دیا۔

والد کی شہادت نے عبدالرشید غازی کو تبدیل کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ وفاقی وزارت تعلیم میں ملازمت کرتے تھے اور مسجد و مدرسے سے ان کا زیادہ تعلق نہ تھا۔ عبدالرشید غازی اپنے والد کے قاتلوں کے پیچھے پڑ گئے اور آخر کار ایک شخص گرفتار

ہو گیا۔ اس شخص کو موقع واردات کے تمام عینی شاہدوں نے شناخت کر لیا لیکن پولیس نے پراسرار طور پر اسے چھوڑ دیا۔ والد کا قاتل پولیس کے ہاتھوں نکلنے کے بعد عبدالرشید غازی کے اندر ایک طوفان نے جنم لیا۔ انہوں نے دینی علوم کا مطالعہ شروع کیا اور چند سالوں میں لال مسجد کے نائب خطیب بن گئے۔ جنوری 2007ء میں اسلام آباد میں سات مساجد کو شہید کیا گیا تو لال مسجد سے ملحقہ مدرسہ حفصہ کی طالبات نے ایک قریبی سرکاری لائبریری پر قبضہ کر لیا۔ لائبریری پر قبضہ مولانا عبدالعزیز اور ان کی اہلیہ ام حسان کا تھا۔ عبدالرشید غازی اس فیصلے کے خلاف تھے لیکن انہوں نے بڑے بھائی کے احترام میں سرعام اختلاف رائے نہیں کیا۔ لائبریری کا قبضہ ختم کرانے کیلئے وفاقی وزیر اعجاز الحق اور وفاق المدارس نے کوششیں کیں۔ کم از کم دو مرتبہ عبدالرشید غازی لائبریری کا قبضہ ختم کرانے کے قریب پہنچ گئے لیکن ہر مرتبہ حکومت نے ایک اور نوٹس جاری کر کے ان کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ ایک موقع ایسا بھی آیا جب عبدالرشید غازی نے مجھے کہا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت جان بوجھ کر یہ مسئلہ زندہ رکھنا چاہتی ہے تاکہ دینی مدارس کو بدنام کر سکے۔ طے ہوا کہ حکومت کی ہر طرح کی اشتعال انگیزی کے باوجود وہ لائبریری کا قبضہ ختم کروا دیں گے۔ افسوس کہ مولانا عبدالعزیز اپنے چھوٹے بھائی کی بات نہ مانے کیونکہ انہیں کچھ ایسے عناصر کی حوصلہ افزائی حاصل تھی جو کچھ حکومتی اداروں کی سرپرستی میں تھے۔ مجھے وہ لمحات بھی یاد ہیں جب عبدالرشید غازی اپنے بھائی کے ساتھ دھرمی کے خلاف بغاوت پر اتر آئے لیکن ان کی والدہ آڑے آگئیں۔ والدہ نے غازی سے کہا کہ بڑے بھائی کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا۔ والدہ کے حکم پر غازی نے سر جھکا دیا پھر آنٹی شمیم اغوا ہوئی، پولیس اہلکار اغوا ہوئے اور چینی باشندے اغواء ہوئے۔ کس کے حکم

سے اغوا ہوئے یہ تو عبدالرشید غازی کو معلوم نہ ہوتا تھا لیکن میڈیا میں لال مسجد کا دفاع بڑے بھائی کا حکم تھا اور وہ اس کی تعمیل کرتے رہے۔ غازی اور ان کے بھائی پر بہت سے الزامات لگے۔ اہم ترین الزام یہ تھا کہ انہوں نے حکومتی اداروں کی ملی بھگت سے ایک ڈرامہ رچا رکھا ہے تاکہ عوام کی توجہ عدالتی بحران سے ہٹی رہے۔ خود بیچارے غازی کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اس الزام کو غلط کیسے ثابت کرے۔ مئی 2007ء کے آخری ہفتے میں جنرل پرویز مشرف پر بھی یہ الزامات لگنے لگے کہ وہ جان بوجھ کر لال مسجد کے ذریعہ گڑ بڑ پھیلا رہے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ چوہدری شجاعت حسین کے لال مسجد والوں کے ساتھ مذاکرات کامیاب ہو گئے لیکن انہیں کہا گیا کہ آپ مذاکرات کو لمبا کریں۔ چوہدری صاحب سے رہا نہ گیا اور انہوں نے مذاکرات کی ناکامی کی ذمہ داری حکومت پر عائد کر دی۔ آخری ملاقات میں عبدالرشید غازی نے چوہدری صاحب سے کہا کہ آپ مخلص انسان ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ حکومت اس مسئلے کو کچھ مزید لمبا کرے گی اور مناسب وقت پر ہمیں ختم کر کے امریکہ کے سامنے سرخرو ہو جائے گی۔ ایک دن عبدالرشید غازی نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم واقعی قصور وار ہیں تو کیا حکومت ہماری بجلی پانی بند نہیں کر سکتی؟ ہم پھر بھی باز نہ آئیں تو اعصاب شکن گیس پھینک کر ہم سب کو گرفتار نہیں کر سکتی؟

سات جولائی کو چوہدری شجاعت حسین نے مجھے بلایا اور کہا کہ وہ آخری مرتبہ عبدالرشید غازی کے ساتھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں لیکن جو فون نمبر ان کے پاس تھے وہ سب بند ہو چکے ہیں۔ چوہدری صاحب دوبارہ رابطہ چاہتے تھے میں نے کوشش کر کے غازی سے رابطہ کیا اور انہیں چوہدری صاحب کی خواہش سے آگاہ کیا۔ غازی ہنسے اور

بولے کہ چوہدری صاحب معصوم ہیں وہ نہیں جانتے کہ ہمیں مارنے کا فیصلہ ہو چکا ہے میرے اصرار پر انہوں نے چوہدری صاحب سے دوبارہ رابطہ کیا اور یوں پھر سے مذاکرات شروع ہو گئے۔ ان مذاکرات میں غازی نے بار بار کہا کہ میرے بڑے بھائی عبدالعزیز کو دھوکے سے باہر بلا کر گرفتار کر لیا گیا اور مجھے باہر بلا کر مار دیا جائے گا لہذا بہتر ہے کہ میں ذلت کی موت کی بجائے لڑتے ہوئے مارا جاؤں۔ آخر کار وہی ہوا اور غازی نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے لڑتے ہوئے جان دینے کو ترجیح دی۔ آخری رابطوں کے دوران میں نے غازی سے کہا کہ دونوں طرف مسلمان ہیں کوئی راستہ نکالیں کہ مسلمان ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ غازی نے کہا کہ میں نے بہت کوشش کی لیکن حکومت ہمیں رسوا کرنا چاہتی ہے، یہ سارا معاملہ حکومت کا کھڑا کیا ہوا ہے، حکومت نے اس معاملے میں بہت سے سیاسی مقاصد حاصل کئے اور آخر میں ہمیں رسوا کر کے مزید کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ غازی کو یقین تھا کہ ان کی موت ہی ان کی فتح اور حکومت کی ناکامی ہوگی۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری موت ہماری بے گناہی ثابت کرے گی اور ہمارا بدلہ اس ملک کے غیرت مند مسلمان لیں گے۔ انہوں نے اپنی غلطیوں سے کبھی انکار نہ کیا لیکن بار بار کہا کہ ہماری غلطی اتنی بڑی نہ تھی۔ ہم نے مساجد کی شہادت پر احتجاج کرتے ہوئے ایک لائبریری پر قبضہ کر لیا، ہم پر گولیاں اور بم برسائے جا رہے ہیں جبکہ مساجد شہید کرنے والوں کو کسی نے نہیں پوچھا۔ غازی نے جان کی قربانی دیکر وہ داغ دھو ڈالا جو ان کے بھائی کی برقعے میں گرفتاری سے ان کے خاندان کی عزت پر لگا تھا۔ میں نے لال مسجد انتظامیہ کے اقدامات کی کبھی حمایت نہیں کی لیکن جس انداز میں لال مسجد کے خلاف طاقت استعمال کی گئی وہ قابل مذمت ہے۔ حکومت چاہتی تو یہ مسئلہ ایک گولی چلائے بغیر بھی

حل ہو سکتا تھا لیکن کچھ عناصر نے دیدہ دانستہ خونریزی کا راستہ اختیار کیا۔ عبدالرشید غازی مرنے کے بعد پہلے سے زیادہ خطرناک ہو گئے۔ اسی لئے انہیں اسلام آباد میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کرنے کی بجائے روجھان مزاری میں دفن کیا گیا۔ غازی کو اپنے والد کے قتل پر انصاف مل جاتا تو وہ شاید آج بھی وزارت تعلیم میں ایک افسر ہوتے۔ انہوں نے نا انصافی کے رد عمل میں بغاوت کی۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ اس دنیا کی عدالت میں نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہوگا۔

حامد میر

”بشکریہ“ روزنامہ جنگ

”غازی شہید“

پرانے زمانوں میں بڑے بڑے لشکروں کو چھوٹے چھوٹے قلعے فتح کرنے کیلئے مہینوں محاصرہ جاری رکھنا پڑتا تھا اور گولہ باری کرنا پڑتی تھی۔ وقت بدل گیا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے بہت ترقی کر لی ہے ایسی ایسی ڈیوائسز ایجاد ہو گئی ہیں کہ بند عمارتوں کے اندر کوئی کاغذ ہلنے کی خبر بھی باہر پہنچ جاتی ہے۔ آنسو گیس پرانے زمانوں کی بات ہو گئی ہے اس کی جگہ اعصابی گیس نے لے لی ہے۔ یہ مہلک نہیں ہوتی لیکن مزاحمت کرنے والوں کو لمحوں میں اس طرح مفلوج کر دیتی ہے کہ انہیں کبوتروں کی طرح پکڑا جاسکتا ہے۔ لال مسجد کا آپریشن 3 جولائی کو شروع ہوا تھا اور 10 جولائی تک جاری رہا۔ آنسو گیس کے لاتعداد گولے چلائے گئے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں گولیاں چلیں۔ بے شمار بم بھی استعمال ہوئے بکتر بند گاڑیاں آئیں اور آخر میں کورکمانڈ کی قیادت میں

فوج کو آپریشن کرنا پڑا مولانا عبدالرشید غازی کو جام شہادت نوش کر کے جان چھڑانا پڑی۔ حکومت خون خرابہ نہیں چاہتی تھی لیکن اس چھوٹے سے قلعے کے اندر مارے جانے والے معصوموں کی اصل تعداد شاید کبھی معلوم نہ ہو سکے۔

ہماری رحمدل حکومت لاشوں کی سیاست پسند نہیں کرتی اور زندہ پکڑے جانے والوں کی طرح انہیں بھی غائب کرنا مناسب سمجھتی ہے۔ بہر حال ایک کرنل سمیت 12 سیوریٹی اہلکاروں کی مصدقہ ہلاکت کے بعد اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قلعے کے اندر کتنے مرد، عورتیں اور بچے مارے گئے ہوں گے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مذہب کے نام پر معاشرے کو یرغمال بنانے والوں کے خلاف کارروائی منطقی انجام تک پہنچائی گئی اور حکومت نے جیسے ”تھے“ (As you were) والے پریڈکشن کی تعمیل نہیں کی۔ اس سے پہلے اس طرح کے تمام معاملات ادھورے چھوڑے گئے تھے یا پسپائی اختیار کی گئی تھی مولانا عبدالرشید غازی کو موت کے غار میں اترنے سے ایک لمحہ پہلے تک یہی یقین رہا ہوگا کہ روشن خیال اور دہشت گردی کیخلاف جنگ میں فرنٹ لائن کی اتحادی حکومت کے اندر موجود چالاک نقاب پوش کوئی نہ کوئی درمیانی راستہ نکال لیں گے۔ لیکن لڑائی پہلے ہی اس آخری حد تک پہنچ چکی تھی کہ مذاکرات یا معاہدہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ پسپائی کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ حکومت اسلام آباد کے دل میں مرحوم عبدالرشید غازی کی متوازی حکومت تسلیم کر لیتی اور انہیں اپنے انداز میں اقتدار کے ایوانوں کے سوا ہر جگہ شریعت نافذ کرنے کیلئے کھلا چھوڑ دیتی۔

لال مسجد کی مقبولیت کا تعین کرنے کیلئے یہی کافی ہے کہ لندن کی آل پارٹیز کانفرنس میں مولانا فضل الرحمن اور قاضی حسین احمد سمیت کسی مذہبی لیڈر یا جماعت نے

متفقہ اعلامیہ میں لال مسجد کا مسئلہ شامل کرنے پر زور نہیں دیا اور لیاقت بلوچ کی طرف سے پیش کی جانے والی ایک قرارداد پر ہی معاملہ ٹال دیا گیا۔

حکومتی کارروائی کے مقاصد پر اس لیے انگلیاں نہیں اٹھائی جاسکتی کہ ہمارے انتہا پسند مولوی جس قسم کا معاشرہ قائم کرنے کا خواب دیکھتے ہیں وہ اس ترقی یافتہ دنیا میں برداشت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ صرف لال مسجد ہی نہیں اس طرح کے تمام قلعے قانون کے دائرے میں لانے چاہئیں۔ بہر حال مقاصد اپنی جگہ لیکن حکومت کی حکمت عملی کی کوئی صفائی نہیں دی جاسکتی۔ لندن میں مقیم ایف آئی اے کے سابق ڈائریکٹر جنرل اور پیپلز پارٹی کے سینئر لیڈر رحمن ملک کا خیال ہے کہ یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ تین سے چھ گھنٹے میں نمٹایا جاسکتا تھا۔ انہوں نے بوسنیا کے ایک واقعہ کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ ”اینٹی رائٹ ایکویپمنٹ Anti riot equipment“ بروئے کار لایا جاتا تو جانی نقصان بھی ٹل جاتا۔ کسی عمارت میں خواہ کتنے ہی کمرے اور تہہ خانے کیوں نہ ہوں اعصاب معطل کرنے والی گیس کے ذریعے اندر موجود ہر کسی کو بیہوش کر کے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ رحمن ملک صاحب نے یہ بھی بتایا کہ بینظیر بھٹو کی حکومت کے آخری عرصے میں مدارس کو ریگولرائز کرنے کے منصوبہ پر کام ہو رہا تھا کیونکہ پہلی افغان جنگ کے بعد یہ مدرسے چھوٹے چھوٹے جنگی قلعوں میں تبدیل ہوتے نظر آ رہے تھے۔ اور ملکی اور غیر ملکی عسکریت پسندوں کی آماجگاہیں بنتے جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک ایسی وردی کا بھی ذکر کیا جسے پہن کر گولی سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ ہماری حکومت کو ہی معلوم ہو گا کہ فرنٹ لائن پر کھڑا کر کے اسے مطلوبہ ٹیکنالوجی بھی دی گئی تھی یا امریکہ کا یہ خیال تھا اور ہے کہ

”مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی“

ہمارے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کم مائیگی ملاحظہ ہو کہ بالآخر فوج کو میدان میں آنا پڑا۔ ہمارے ملک کی خوش قسمتی بھی دیکھئے کہ تاریخ کے ایک ایسے مرحلے پر جب حق حکمرانی کی تعریف فیصلہ کن دور میں داخل ہو رہی ہے۔ عدلیہ کی آزادی اور رسول جمہوری آزادی کے امکانات روشن ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ قوم اور دنیا کو یہ پیغام ملا ہے کہ ہمارے سارے لاء انفورسمنٹ کے ادارے اتنے اہل ہیں کہ ایک مسجد اور مدرسے کو قابو نہیں کر سکے۔ ”چاچا وردی لاہندا کیوں نہیں“ کے سوال کا کتنا دو ٹوک جواب ملا ہے۔ ہم شہید ہونے والے غازی اور ان کے ساتھیوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔ قوم 17 ویں ترمیم سے لال مسجد تک اپنے دانشور علماء اور جنونی سازشی مولویوں تک کس کس کا احسان بھلا پائے گی۔

عباس اطہر

بشکریہ ”روزنامہ ایکسپریس“



کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

جرم تو صرف اتنا تھا کہ وہ معاشرے سے بدکاری کے خاتمے کا عزم لئے..... باہر نکلیں اور ایک فحش خانہ چلاتی عورت کو سبق سکھانے اپنے ساتھ لے آئیں اور دو تین روز بعد اسے برقعہ پہنا کر..... توبہ کروا کر چھوڑ دیا.....!! پھر ایک مالش کے مرکز جا پہنچیں اور وہاں جسم فروشی کرتی خواتین کو اپنے ہمراہ لا کر خوب جھاڑ پلائی..... اور پھر نصیحت کے بعد روانہ کر دیا!! ڈنڈے لے کر گھومتیں مگر کسی کا سرتونہ پھاڑا!! اس وطن عزیز میں جہاں حکمرانوں اور طاقتوروں میں سے ہر دوسری شخصیت کسی لینڈ مافیا سے وابستہ ہے۔ وہ مسجد شہید ہونے کے بعد پڑوس کی ایک لائبریری پر جادھمکیں!! روشن خیال، خوشحال، خوش پوش دارالحکومت کی عظیم الشان

کوٹھیوں کے درمیان جن کی اکثریت رات گئے شراب و شباب کی محفلیں اپنے عروج پر دیکھا کرتی ہے..... ایک کونے میں یہ معصوم، سادہ، حجاب میں ملبوس، پاکیزہ روحیں..... تلاوت قرآن پاک میں مگن رہتیں!!
کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

میں جب اُن سے ملا تو ان کے لہجے میں عجب اکتاہٹ اور محرومیت کا احساس ہوا!! آنکھوں میں اُداسیت۔ معاشرے سے شکایت اور بیزاری!! سونے کے کنگنوں سے محروم کلائیوں اور نیل پالش سے محروم ہاتھوں میں ڈنڈے اس بے کسی کا اظہار تھے..... جو غریب سادہ لوح گھرانوں کی ان شریف اور باکردار بچیوں کی آنکھوں سے بھی کراہ رہی تھی!! ان کے طرز عمل سے ذرا سا اختلاف کرنے کی گستاخی ہوئی تو سب الجھ پڑیں!! شاید بھائی!! آپ کو کیا پتہ؟“
“ڈاکٹر صاحب!! آپ نہیں جانتے!! کسی آیت کا حوالہ..... کسی حدیث کی دلیل..... سب ایک ساتھ پل پڑیں!!“ آپ کو پتہ ہے امریکہ میں کیا ہو رہا ہے؟“ یہ یہودیوں کی سازش ہے!!“ ہمارے دشمنوں کی چال ہے.....!!“
صلیبی جنگ ہے“ وغیرہ وغیرہ! میں بڑی مشکل سے انہیں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بعد..... چپ کروانے میں کامیاب ہو سکا!! ان کی نگراں ام حسان نے اسی دوران بتایا کہ ”یہ طالبات ایک عرصے سے یہاں آئے مرد مہمانوں سے گفتگو نہیں کرتیں لیکن آپ سے ملنے کے لیے ان کی ضد تھی!“ میں نے خاموشی مناسب تصور کرتے ہوئے ان کی گفتگو سننے میں عافیت تصور کی!!! یہ میرے لیے ایک مختلف دنیا تھی!!“ شاید یہ فیشن زدہ۔ جدیدیت کی دلدل میں ڈوبی، ٹی شرٹ جینز میں ملبوس

خوش شکل لڑکیوں کو..... ہر روز..... اپنے چھوٹے تاریک کمروں کے روشن دانوں سے جھانک کر..... باہر سڑکوں پر ڈرائیونگ کرتا دیکھتی ہوں!! ممکن ہے۔ قریبی بازار تک آتے جاتے..... ان کے کانوں تک بھی دلفریب نغموں کی تھاپ پہنچتی ہو گی!! کچی عمروں میں یقیناً ان کی آنکھیں بھی خواب دیکھتی ہوں گی!! ان کا دل بھی کبھی اچھے رشتوں کی آس میں دھڑکتا ہوگا!! ان کا بھی عید پر نئے کپڑے سلوانے..... ہاتھوں میں حنا سجانے اور چوڑیاں پہننے کو جی لپچاتا ہوگا!! لیکن آرزوئیں، خواہشات اور تمنائیں ناکام ہو کر برقعوں کے پیچھے اس طرح جا چھپیں کہ پھر نہ چہرے رہے..... نہ شناخت!!! صرف آوازیں تھیں..... جواب تک میرے کانوں میں گونجتی ہیں!! انہی میں ایک چھوٹی بچی..... یہی کوئی آٹھ دس برس کی..... حجاب میں اس طرح ملبوس کی چہرہ کھلا تھا۔ گفتگو سے مکمل ناواقفیت کے باوجود مسلسل ہنسے جاتی تھی کہ شاید یہی..... مباحثہ..... اس کی تفریح کا سبب بن گیا تھا!! بیٹی آپ کا نام کیا ہے.....؟ میرے سوال پر پٹ سے بولی، ”اسماء.....“ انکل ”پیچھے کھڑی اس کی بڑی بہن نے سر پر چپت لگائی ”انکل نہیں.....“ بھائی بولو..... ”خدا جانے اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی کہ چھوٹے قد کے فرشتے نے اس پر بھی قہقہہ لگا کر دہرایا، ”جی بھائی جان!! آپ کیا کرتی ہیں؟“ میں نے ننھی اسماء سے پوچھا۔ ”پڑھتی ہوں“ کیا پڑھتی ہو بیٹا؟ ”جواب عقب میں کھڑی بہن نے دیا، ”حفظ کر رہی ہے بھائی“ اور بھی کچھ پڑھا رہی ہیں؟ ”میں نے پوچھا۔ جی ہاں! کہتی ہے بڑی ہو کر ڈاکٹر بنے گی!! بہن نے جو کہ یہی کچھ پندرہ سولہ برس کی مکمل حجاب میں ملبوس تھی، جواب دیا۔ ”آپ دو بہنیں ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔ ”جی

ہاں! بھائی! ”بڑی بہن نے اسماء کو آغوش میں لیتے ہوئے کہا“ تین بھائی گاؤں میں ہیں..... ہم بڑے گرام سے ہیں نا!! کھیتی باڑی ہے ہماری۔“

میں جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں ایک پروگرام کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں موجود تھا۔ طالبات اور عبدالرشید غازی صاحب سے گفتگو کے بعد میں نے بچیوں کو خدا حافظ کہہ کر غازی صاحب کے ساتھ ان کے حجرے کی طرف قدم بڑھایا تو ننھی اسماء پیچھے بھاگتی ہوئی آئی ”بھائی جان! آٹو گراف دے دیں“ ہانپ رہی تھی ”میرا نام اسماء اور باجی کا نام عائشہ ہے!! میں نے حسب عادت دونوں کے لیے طویل العمری کی دعا لکھ دی!! آگے بڑھا تو ایک اور فرمائش ہوئی ”بھائی جان! اپنا موبائل نمبر دے دیں۔ اس کی آنکھیں جیسے چمک اٹھیں..... اسی دوران غازی صاحب نے میرا ہاتھ کھینچا۔ ”ڈاکٹر صاحب یہ تو ایسے ہی تنگ کرتی رہے گی۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور عبدالعزیز..... آپ کا انتظار کر رہے ہیں“ بچی واپس بھاگ گئی اور میں مدرسے کے اندر تنگ گلیوں سے گزرتا۔ عقب میں غازی صاحب کے حجرے تک جا پہنچا۔ جہاں انہوں نے کہا کہ ”ڈاکٹر صاحب ایک زحمت!! والدہ صاحبہ بھی آپ کو دعا دینا چاہتی ہیں.....!!“ کھانا ہم نے فرش پر دسترخوان بچھا کر کھایا اور اس دوران عبدالعزیز صاحب بھی..... ساتھ شامل ہو گئے۔ بات چیت ہوتی رہی اور جب میں نے رخصت چاہی تو انہوں نے اپنی کتابوں کا ایک سیٹ عطیہ دیتے ہوئے دوبارہ آنے کا وعدہ لیا..... اور پھر دونوں بھائی..... جامعہ کے دروازے تک چھوڑنے اس وعدے کے ساتھ آئے کہ میں دوبارہ جلد واپس آؤں گا۔ حقیقت یہ کہ میں دونوں علماء کا استدلال سمجھنے سے مکمل

قاصر رہا!! چند مسلح نوجوان ادھر ادھر گھوم رہے تھے..... مصافحہ تو کیا لیکن گفتگو سے اجتناب کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا! لیکن دروازے سے باہر قدم رکھتے وہی شیطان کی خالہ اسماء اچھل کر پھر سامنے آگئی ”بھائی جان!! میں آپ کو فون نہیں کروں گی۔ وہ کارڈ باجی کے پاس ختم ہو جاتا ہے نا..... ایس ایم ایس کروں گی۔ جواب دیتے رہے گا۔ پلیز بھائی جان!! اس کی آنکھوں میں معصومیت اور انداز میں شرارت کا امتزاج تھا۔ اچھا بیٹا! ضرور..... اللہ حافظ جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا تو بڑی بہن بھی روشندان سے جھانک رہی تھی! کہ یہی دونوں بہنوں کی کل دنیا تھی!! کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟ جو احباب میری ذاتی زندگی تک رسائی رکھتے ہیں وہ واقف ہیں کہ میں خبروں کے جنگل میں رہتا ہوں!! دن کا بیشتر حصہ اخبارات، جرائد اور کتابوں کے اوراق میں دفن گزارتا ہوں!! چنانچہ گزرے تین ماہ کے دوران بھی جہاں چیف جسٹس کا معاملہ پیچیدہ موڑ اختیار کرتا..... ان میں الجھائے رہنے کا سبب بنا!! وہیں یہ مصروفیات بھی اپنی جگہ جاری رہیں۔ لیکن اس تمام عرصے میں وقفے وقفے سے مجھے ایک گمنام نمبر سے ایس ایم ایس موصول ہوتے رہے!! عموماً قرآن شریف کی کسی آیت کا ترجمہ یا کوئی حدیث مبارکہ..... یا پھر کوئی دعا..... رومن اردو میں..... اور آخر میں بھیجنے والے کا نام..... ”آپ کی چھوٹی بہن اسماء یہ سچ ہے کہ ابتداء میں تو مجھے یاد ہی نہیں آیا کہ بھیجنے والی شخصیت کون ہے؟ لیکن پھر ایک روز پیغام میں یہ لکھا آیا کہ ”آپ دوبارہ جامعہ کب آئیں گے“ تو مجھے یاد آیا کہ یہ تو وہ چھوٹی نٹ کھٹ..... حجات میں ملبوس بچی ہے۔ جس سے میں جواب بھیجنے کا وعدہ کر آیا تھا!! میں نے فوراً جواب بھیجا ”بہت

جلد.....!! جواب آیا ”شکریہ بھائی جان“۔

میں اپنے موبائل فون سے پیغام مٹاتا چلا گیا تھا چنانچہ چند روز قبل جب لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر فوجی کارروائی کا اعلان ہوا تو میں نے بے تابی سے اپنے فون پر اس بجی کے بھیجے پیغامات تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بد قسمتی سے میں سب مٹا چکا تھا! امید تھی کہ اسماء بڑی بہن کے ساتھ نکل گئی ہوگی! لیکن پھر بھی بے چینی سی تھی!! کوئی آیت، حدیث، دعا بھی نہیں آ رہی تھی! اس تصور کے ساتھ خود کو تسلی دی کہ ان حالات میں، جب گھر والے دور گاؤں سے آ کر دونوں کو لے گئے ہوں گے تو افراتفری میں پیغام بھیجنے کا موقع کہاں؟؟ جب بھی اعلان ہوتا کہ ”آج رات کو عسکری کارروائی کا آغاز ہو جائے گا“!! ”فائرنگ، گولہ باری کا سلسلہ شروع“ ”مزید طالبات نے خود کا حکام کے حوالے کر دیا“ ابھی اندر بہت سی خواتین اور بچے ہیں“ ”یرغمال بنا لیا گیا ہے“ وغیرہ وغیرہ..... تو میری نظر اپنے موبائل فون پر اس خواہش کے ساتھ..... چلی جاتی کہ کاش!! وہ پیغام صرف ایک بار پھر آ جائے..... میں نے جسے کبھی محفوظ نہ کیا!!

کون تھیں؟ کہاں چلیں گئیں؟

8 جولائی کی شب اچانک ایک مختصر ایس ایم ایس موصول ہوا ”بھائی جان! کارڈ ختم ہو گیا ہے۔ پلیز فون کریں۔“ میں نے اگلے لمحے رابطہ کیا تو میری چھوٹی..... پیاری اسماء زار و قطار رو رہی تھی ”بھائی جان، ڈر لگ رہا ہے! گولیاں چل رہی ہیں! میں مرجاؤں گی؟ میں نے چلا کر جواب دیا ”اپنی بہن سے بات کراؤ..... بہن نے فون سنبھال لیا“ آپ دونوں فوراً باہر نکلیں۔ معاملہ خراب ہو رہا

ہے۔ کہیں تو میں کسی سے بات کرتا ہوں کہ آپ دونوں کو حفاظت سے باہر نکالیں۔ ”دھماکوں کی آوازیں گونج رہی تھیں!! مجھے احساس ہوا کہ بڑی بہن نے اسماء کو آغوش میں چھپا رکھا ہے لیکن چھوٹی پھر بھی بلک رہی ہے.....!! بھائی وہ ہمیں کیوں ماریں گے؟؟ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں! وہ بھی کلمہ گو ہیں!! اور پھر ہمارا جرم ہی کیا ہے؟ آپ تو جانتے ہیں بھائی! ہم نے تو صرف باجی شمیم کو سمجھا کر چھوڑ دیا تھا۔ چینی بہنوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا..... بھائی! یہ سب ان کی سیاست ہے۔ ہمیں ڈرا رہے ہیں ”بہن پر اعتماد لہجے میں بولی۔!! دیکھیں! حالات برے ہیں!! میں بتا رہا ہوں۔ آپ فوراً نکل جائیں..... خدا کے لیے!! مجھے احساس ہوا کہ میں گویا۔ انہیں حکم دے رہا ہوں! بھائی!! آپ یونہی گھبرا رہے ہیں!! غازی صاحب بتا رہے تھے کہ یہ ہمیں جھکانا چاہ رہے ہیں۔ باہر کچھ بھائی پہرہ بھی دے رہے ہیں! کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آپ دیکھیے گا۔ اب فوج آگئی ہے۔ نا! یہ بد معاش پولیس والوں کو یہاں سے بھگا دے گی!! آپ کو پتہ ہے۔ فوجی تو کٹر مسلمان ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں کیوں ماریں گے۔ ہم کوئی مجرم ہیں کوئی ہندوستانی ہیں۔ کافر ہیں، کیوں ماریں گے وہ ہمیں۔!! بہن کا لہجہ پر اعتماد تھا اور وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔ ”ڈاکٹر بھائی مجھے تو ہنسی آرہی ہے کہ آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں!! آپ کو تو پتہ ہے کہ یہ سلسلہ ”اسی طرح چلتا رہتا ہے! یہ اسماء تو یونہی زیادہ ڈر گئی ہے اور ہاں آپ کہیں ہم بہنوں کا نام نہ لیجئے گا۔ ایجنسی والے بٹہ گرام میں ہمارے والد، والدہ اور بھائیوں کو پکڑ لیں گے! سب ٹھیک ہو جائے گا بھائی! وہ ہمیں کبھی نہیں ماریں گے!!“۔

میں نے دونوں کو دعاؤں کے ساتھ فون بند کیا اور نمبر محفوظ کر لیا۔ اگلے روز گزرے کئی گھنٹوں سے مذاکرات کی خبریں آرہی تھیں اور میں حقیقتاً گزرے ایک ہفتے سے جاری اس قصے کے خاتمے کی توقع کرتا، ٹی وی پر مذاکرات کو حتمی مراحل میں داخل ہوتا دیکھ رہا تھا کہ احساس ہونے لگا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ میں نے چند شخصیات کو اسلام آباد فون کر کے اپنے خدشے کا اظہار کیا کہ معاملہ بگڑنے کو ہے تو جواباً ان خدشات کو بلا جواز قرار دیا گیا لیکن وہ درست ثابت ہوئے اور علماء کے وفد کی ناکامی اور چوہدری شجاعت کی پریس کانفرنس ختم ہوتے ہی وہ عسکری کارروائی شروع ہو گئی جس کی قوت کے بارے میں موقع پر موجود ایک سرکاری افسر کا بیان تھا ”لگتا ہے پوری بھارتی فوج نے چھوٹے ملک بھوٹان پر چڑھائی کر دی ہے۔ فائرنگ، دھماکے، گولہ باری، شیلنگ، جاسوس طیارے، مگن شپ ہیلی کاپٹرز..... خدا جانے کیا کچھ!! اور پھر باقاعدہ آپریشن شروع کر دینے کا اعلان۔ اس دوران عبدالرشید غازی سے بھی ایک بار ٹی وی پر گفتگو کا موقع ملا اور پھر پتہ چلا کہ ان کی والدہ آخری سانسیں لے رہی ہیں! اور تبھی صبح صادق فون پر ایس ایم ایس موصول ہوا، ”پلیز کال“ یہ اسماء تھی!!

میں نے فوراً رابطہ کیا تو دوسری طرف چیخیں، شور شرابہ، لڑکیوں کی آوازیں ہیلو۔ اسماء بیٹی! ہیلو! خدا جانے وہاں کیا ہو رہا تھا ”ہیلو بیٹی آواز سن رہی ہو، میں پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔“ بات کرو کیا ہوا ہے۔

وہ جملہ..... آخری سانسوں تک میری سماعتوں میں زندہ رہے گا ایک بلک بلک کر روتی ہوئی بچی کی رُک رُک کر آتی آواز ”باجی مر گئی ہے۔ مر گئی ہے

بابی.....“ اور فون منقطع ہو گیا!! اسٹوڈیوز سے کال آرہی تھی کہ میں صورتحال پر تبصرہ کروں لیکن میں بار بار منقطع کال ملانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا!! کچھ کہنے یا سننے کی ہمت نہ تھی۔ کسی کمانڈو جیسی طاقت اعجاز الحق جیسی دیانت اور طارق عظیم جی صداقت نہ ہونے کے باعث مجھے ٹی وی پر گونجتے ہر دھماکے میں بہت سی چیخیں، فائرنگ کے پیچھے بہت سی آہیں اور گولہ باری کے شور میں ”بھائی جان! یہ ہمیں کیوں ماریں گے؟ کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے کمروں میں دھواں بھر گیا ہوگا اور باہر فائرنگ ہو رہی ہوگی۔ بہت سی بچیاں تھیں۔ فون نہیں مل رہا تھا۔ پھر عمارت میں آگ لگ گئی اور میں اسماء کو صرف اس کی لاتعداد دعاؤں کے جواب میں صرف ایک الوداعی دعا دینا چاہتا تھا..... ناکام رہا۔ فجر کی اذانیں گونجنے لگیں تو وضو کرتے ہوئے میں نے تصور کیا کہ وہ جو سیاہ لباس میں ملبوس مجھ سے خواہ مخواہ بحث کر رہی تھیں۔ اب سفید کفن میں مزید خوبصورت لگتی ہوگی! جیسے پریاں۔

فتیہ خانوں کے سرپرستوں کو نوید ہو کہ اب اسلام آباد پر سکون تو ہو چکا ہے لیکن شاید اداس بھی! اور یہ سوال بہت سوں کی طرح ساری عمر میرا بھی پیچھا کرے گا کہ وہ کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟

(دونوں مرحوم بچیوں سے وعدے کے مطابق ان کے فرضی نام تحریر کر رہا ہوں)۔

ڈاکٹر شاہد مسعود

بشکریہ ”روزنامہ جنگ“

خون کا خراج کیوں؟

8 جولائی کی شام وزیراعظم شوکت عزیز سے بات چیت کے دوران معلوم ہو چکا تھا کہ جامعہ حصہ کمپلیکس میں آپریشن کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے۔ سب کا خیال تھا اسی رات ایکشن شروع ہو جائے گا۔ میں بھی ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر انتظار میں رہا اور دل سے دعائیں نکلتی رہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے آخری کارروائی مل جائے اور کوئی پُر امن راستہ نکل آئے۔ ایسے ہی کسی بڑے واقعے کے انتظار میں طوالت آنے لگے تو رد عمل جھلاہٹ کی صورت میں پیدا ہوتا ہے مگر اس روز عجیب انتظار تھا کہ جتنا طویل ہو رہا تھا، ذہن اتنی ہی آسودگی محسوس کر رہا تھا۔ صبح ہوئی تو یوں لگا، جیسے دعائیں قبول ہو گئیں۔ وزیراعظم کی بتائی ہوئی حد نکل گئی۔ شب گزر گئی اور امید پیدا ہو گئی کہ پورا دن مل جانے

کا فائدہ ضرور اٹھایا جائے گا۔ ایک رات پہلے مولانا عبدالرشید غازی شاید حکومتی مطالبات سے بھی کچھ زیادہ مانگ چکے تھے۔ انہوں نے لال مسجد، جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ سے مکمل دستبرداری کی پیشکش کر دی تھی اور اپنے لیے آبرومندانہ خروج کا مطالبہ کیا تھا۔ میرے خیال میں یہ بہترین لمحہ تھا، جس سے فائدہ اٹھا کر خونریزی کو ٹالا جاسکتا تھا۔ عبدالرشید غازی نے اس وقت تک ”محفوظ راستہ“ کی اصطلاح استعمال نہیں کی تھی۔ وہ کچھ بھی کرتے، پاکستان کے اندر ہی رہتے، ان پر نظر رکھی جاسکتی تھی۔ بعد میں وہ عدالتی کارروائی میں تعاون کے لیے بھی تیار ہو گئے تھے۔ پھر معاملہ پُر امن طریقے سے حل کیوں نہ ہو سکا؟ یہ سوال مجھے ابھی تک پریشان کر رہا ہے اور پاکستانی قوم کو بھی نہ جانے کب تک پریشان کرتا رہے گا؟

9 جولائی کو رات گئے جب چوہدری شجاعت حسین افسردگی اور غم کے عالم میں بتا رہے تھے کہ ”میں اپنی زندگی میں اس سے زیادہ کبھی مایوس نہیں ہوا“ تو ان کے الفاظ میں موجود کرب، اندیشے اور مضمرات میں انتہائی تکلیف دہ پیغام جاگزیں تھا۔ ایک سوچ ابھری کہ کاش آج چوہدری شجاعت حسین مکمل طور سے بااختیار ہوتے۔ کاش فیصلوں کی طاقت سیاسی ذہن کے پاس ہوتی۔ کاش انسانی خون کو اناؤں کے تحفظ پر فوقیت دی جاسکتی۔ ایسا ہوتا تو لال مسجد کا تنازع خونریزی کی حد تک جا ہی نہیں سکتا تھا۔ سیاستدان برے ہوں، کرپٹ ہوں، غیر منظم ہوں یا خود غرض ہوں لیکن بحرانوں کا سامنا حقائق کی روشنی میں کرتے ہیں اور قوم کو عمومی طور پر تباہی کے گڑھے میں گرنے سے روکنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا 1947ء میں پاکستان پر فوج کی حکومت ہوتی تو کیا ہوتا؟ لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ 1947ء میں خون کے جو دریا بہائے گئے، مسلمانوں پر

جو ظلم توڑے گئے، جس طرح انہیں تباہ و برباد کر کے لاکھوں کی تعداد میں پاکستان میں دھکیلا گیا اور جس طرح بھارتی حکمرانوں نے پاکستان کے حصے کا سرمایہ، اسلحہ اور اثاثے ہضم کرنے کی کوشش کی اس کی روشنی میں نفرت اور دشمنی کی ایسی دیواریں کھڑی ہو جاتیں، جن کے اوپر سے جھانکنا بھی ممکن نہ رہتا لیکن شروع میں چونکہ قیادت سیاسی حکومتیں کر رہی تھیں، لہذا بھارت کے ساتھ اس کے بعد بھی مذاکرات ہوئے۔ لیاقت نہرو سمجھوتہ ہوا۔ کئی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی راہیں نکالی گئیں۔ تنازع کشمیر پر بھی مذاکرات ہوتے رہے۔ یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں بھی سنجیدگی سے زیر بحث رہا۔ پاک بھارت تجارت بھی ہوتی رہی۔ مشرقی پاکستان کو آبادی کے مطابق شریک اقتدار کر لیا جاتا تو مزید 8-10 برس میں پاک بھارت تعلقات آبرو مندانہ ہمسائیگی کی بنیاد پر استوار ہو جاتے اور ہمارا ملک بھی اپنے وسائل اور آبادی کے مطابق ترقی و خوشحالی کی راہ پر چل نکلتا۔ نہ دہشت گردی کا عفریت سر اٹھاتا، نہ انتہا پسندی جنم لیتی اور نہ ہم تنگ نظری اور عدم برداشت کے امراض میں مبتلا ہوتے۔ جمہوریت سے محرومی کی جو سزائیں ملا کرتی ہیں، کم و بیش وہ سب کی سب آج ہمیں مل رہی ہیں۔ انفرادی طور پر تحمل اور برداشت ہمارے مزاج میں باقی نہیں رہ گئی۔ ہم ہر معاملے کو دلیل اور منطق کے بجائے طاقت کے بل بوتے پر حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی عیب ہمارے قومی مزاج میں آ گیا ہے اور یہی چیز امور مملکت کی انجام دہی میں بھی ہماری عادت کا حصہ بن گئی ہے۔ ہم منتخب وزیر اعظم کو بھی پھانسی دے ڈالتے ہیں۔ مخالفین کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ لوگوں کو غائب کر ڈالتے ہیں۔ دہشت گردوں سے سمجھوتے کر لیتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو ان کی مدد حاصل کرتے ہیں اور جب انا کا ٹکراؤ ہو جائے تو

انہی پر گولیاں چلا دیتے ہیں۔

لال مسجد کا معاملہ ایک دو روز میں نہیں بگڑا۔ عبدل برادرز علمائے دین میں کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ان کے والد محترم کو ایوب خان نے لال مسجد میں بٹھایا تھا۔ وہ ہر حکومت کے تابع فرمان رہے۔ تنخواہ دار ملازم رہے۔ ضیاء الحق کے زمانے میں ان کی خصوصی سرپرستی کی گئی جس کا فائدہ اٹھا کر وہ سرکاری زمینوں پر قبضے کرنے لگے، تعمیرات کرنے لگے اور دار الحکومت کے قلب میں مسلح افرادی قوت جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ سب کچھ حکومتی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ خصوصاً 9/11 کے بعد دہشت گردی کے خلاف جو عالمی جنگ شروع ہوئی اور جس کے زیر اثر اسلام آباد کو سکیورٹی کے اعتبار سے حساس علاقہ قرار دیا گیا، متعدد سفارت خانوں نے دہشت گردی کے خوف سے بیشتر عملہ واپس بلایا۔ کئی ملکوں نے سفارت کاروں کے اہل خاندان کے لئے اسلام آباد کو خطرناک قرار دے دیا۔ اسلام آباد میں دہشت گردی کے واقعات ہوئے تو اسلحہ کی تلاش میں خفیہ ایجنسیوں کو متحرک کیا گیا۔ ایسی صورتحال میں یہ کیسے ممکن تھا کہ لال مسجد کے اندر نہ صرف اتنی بڑی مقدار میں اسلحہ جمع ہوتا گیا بلکہ معروف دہشت گرد بر ملا اس مسجد میں آنے جانے لگے۔ مسجد کے طلبہ و طالبات جو بظاہر علم دین کے حصول کی خاطر یہاں لائے گئے تھے، وہ شہر کے نظم و نسق میں دخل اندازی کرنے لگے۔ نجی عدالت قائم ہو گئی۔ پاکستانی اور غیر ملکی شہریوں کا اغوا معمول بن گیا اور حکومت قانونی کارروائی کے بجائے ان جرائم پر مذاکرات کرنے لگی۔ یہ سب کیسے ہوا؟ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آرہی۔

جیسا کہ ظاہر ہو گیا عبدل برادرز کوئی قابل ذکر قائدانہ صلاحیت نہیں رکھتے

تھے۔ علم دین کے اعتبار سے عبدالرشید کا شمار ممتاز علماء میں نہیں ہوتا تھا۔ وہ دونوں کسی خاندانی یا قبائلی پس منظر کی بنیاد پر اتنی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے کہ ریاست کو لٹکا سکیں۔ ان میں یہ جاننے کی سمجھ بوجھ بھی نہیں تھی کہ دو تین ہزار نو جوان طلبہ و طالبات کے ساتھ 16 کروڑ کی آبادی والے ملک پر کوئی من پسند نظام مسلط کیا جاسکتا ہے۔ انہیں یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایک پورے شہر کو مسجد میں بیٹھ کر کنٹرول نہیں کر سکتے۔ یقیناً انہیں کسی نہ کسی کی شہ حاصل تھی۔ کوئی نہ کوئی انہیں ضرور استعمال کر رہا تھا۔ کوئی دہشت گردوں کا نام لیتا ہے، کوئی خفیہ ایجنسیوں کا اور کوئی غیر ملکی تنظیم القاعدہ کا۔ یقین سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سچائی کیا ہے؟ یقین سے صرف ایک بات کہی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ لال مسجد کا سانحہ پاکستان میں مزید المناک واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ وہ حالات، جن میں لال مسجد کی کہانی نے جنم لیا، نہ صرف باقی ہیں بلکہ وہ مزید انتہا پسندی کی جانب بڑھیں گے۔ جمہوریت کو تو شاید خدا حافظ ہی کہنا پڑے۔ جتنی دستیاب ہے، وہ بھی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔ پاک فوج کے وہ 8 افسر اور جوان، جو شہید ہوئے اور وہ سینکڑوں بچے اور نو جوان لڑکے لڑکیاں، جو ہلاک اور زخمی ہوئے، وہ سب پاکستان کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ ہم نے ان سے خون کا خراج کیوں مانگا؟ ان کی جانیں لے کر ہم نے کیا حاصل کیا؟

نذیر ناجی (بشکریہ روزنامہ جنگ)



کس نے کیا کھویا کیا پایا؟

سانحہ لال مسجد کے اسباب و محرکات اور ذمہ داروں پر تفتیش کے لیے جوڈیشنل کمیشن جب ہی وجود میں آیا تو پاکستان میں حکمرانوں کا عدلیہ سے کشمکش کا ایک نیا باب شروع ہو جائے گا۔ کسی کو یہ بات پسند ہو یا نہ ہو لیکن سانحہ لال مسجد کے مجرموں کا اصل چہرہ دیکھنا اس قوم کا حق ہے اور قوم چاہتی ہے کہ اتنے بڑے کشت و خون کے مجرموں کا قوم کو کئی ماہ تک اعصابی مریض بنانے والے جنونیوں کا اور ہزاروں شہریوں کا تعین ہو سکے اور ذمہ داروں کو بخوبی احتساب کی سولی پر چڑھایا جاسکے۔ دنیا بھر میں یہ ایک سادہ اصول ہے کہ کسی بھی واقعہ اور جرم کا تعین کرتے ہوئے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا سب سے پہلے کسے فائدہ پہنچا ہے۔

جب ہم لال مسجد کے اثرات اور نتائج کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہمارے سامنے جو بات آتی ہے وہ یہ ہے کہ فیصل مسجد کے قیام سے پہلے اسلام آباد کی

سب سے بڑی مسجد اور اس کے قیام کے بعد بھی سب سے پُر رونق اور نمازیوں سے بھری مسجد اب نہیں رہی۔ اس کو 57 سالہ تاریخ میں پہلی بار 13 جولائی کو وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہو سکی۔ وہ مسجد جہاں جی الصلوٰۃ اور جی الفلاح کی صدائیں بلند ہوتی تھیں اب وہاں سے گولیوں اور شیلنگ کی آوازیں آتی محسوس ہوتی ہیں۔

وہ مقام جہاں پہ ہر وقت تلاوت کلام کی پُر نور آواز بلند ہوتی تھی وہاں اب موت کا سناٹا گونجتا ہے، وہ کمرے اور برآمدے جہاں معصوم طلباء اکتساب علم کرتے تھے۔ وہاں خون بکھرا پڑا ہے۔ لال مسجد کی پُر نور عمارت جل چکی ہے اور گولیوں سے چھلنی ہے اُن حالات کو دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے ان دونوں بھائیوں کو دشمنان اسلام نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

گو یہ بات غازی کی اپنے مقصد کے لیے جان کی قربانی دینے، اپنی محترمہ والدہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے خالق حقیقی سے جا ملنے دیکھنے اور پیارے طلبہ کی لاشوں کو چار سو بکھرے دیکھتے اور پھر بھی اپنے موقف پر ڈٹے رہنے سے غلط ثابت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں اور ان کے خلوص اور کمٹمنٹ کو استعمال کر لیا گیا ہو؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بظاہر غازی کی سرپھری موت، ہلاکت اور اپنے موقف کی حد تک ہزاروں طلبہ کی جان لینے کا اقدام آگے چل کر کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ پاکستان میں تہذیبوں کا تصادم اپنے عروج پر پہنچ جائے حادثات، دھماکوں، اموات میں گھری قوم مزید تصادم کے گڑھے میں گر پڑیں ملک میں اسلامی اور ماڈرن قوتوں کے درمیان تصادم اپنے نقطہ عروج پر پہنچ جائے۔ ہو سکتا ہے افغانستان، عراق اور فلسطین اور دیگر کئی اسلامی ممالک میں مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والی قوتیں پاکستان میں بھی کچھ چاہتی ہوں ہو سکتا ہے کہ غازی اپنے مشن سے انتہائی مخلص ہوں لیکن اس کے اثرات

سے بے بہرہ۔

نائن الیون کے بعد امریکہ نے پوری دنیا میں اور خصوصاً اسلامی ممالک میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر جس طرح معدنی وسائل پر قبضہ کرنا شروع کیا ہے اس سے تو یوں لگتا ہے کہ امریکہ کبھی نہیں چاہے گا کہ اگلی کچھ دہائیوں میں دنیا خصوصاً اسلامی ممالک میں دہشت گردی کے خلاف جنگ سے باہر آسکیں۔ امریکہ اور یورپ کے تھنک ٹینک بارہا پاکستان کو ”برائی کی علامت“ قرار دیتے رہے ہیں لیکن حالات یہ بتاتے ہیں کہ امریکہ کی فی الحال یہ خواہش نہیں ہے کہ پاکستان پر براہ راست عراق اور افغانستان جیسی ”مہربانی“ کی جا سکے۔ تاہم امریکہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ پاکستان میں استحکام نامی کوئی چیز پائی جائے۔

پاکستان میں تیزی سے بڑھتا ہوا این جی اوز کا جال اور سرحد بلوچستان میں این جی اوز کو دیے جانے والے کروڑوں ڈالر دہشت گردی کے خلاف جنگ کے سلسلے کی ایک کڑی ہے نصاب سے لے کر تمام پاکستانیوں کا حساب بدلنے تک کی امریکی خواہش کسی نہ کسی شکل میں عمل پذیر ہے۔ ایک ماڈریٹ پاکستان کے لیے ماڈریٹ پاکستان کا ہونا بہت ضروری ہے آج پاکستان کے مختلف مقامات پر ہزاروں افراد امریکہ کے لیے رول پر ”جہاد“ میں مصروف ہے لوگوں کے ذہن بدلنے کی کوشش کی جا رہی ہے الیکٹرانک میڈیا کو اس سلسلے میں استعمال کیا جا رہا ہے نصاب نہیں ہے ناپسندیدہ مواد کر پھینکا جا رہا ہے میڈیا کے ذریعے غیر مخصوص انداز میں ماڈریٹ، لبرل اور روشن خیالی کو پروان چڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے دوسری طرف اسلام اور اس سے وابستہ عناصر کی کردار کشی پر محنت ہو رہی ہے وہ جہادی جو کل تک امریکہ کے منظور نظر تھے اسامہ سے لے کر آئی ایس آئی جو امریکہ کے ہیرو تھے اور جنہوں نے افغانستان میں امریکہ کے

لیے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں آج وہی؟ نظر ہیں دہشت گرد ہیں اور برائی کی علامت ہے؟ امریکہ کی اصل پریشانی یہ ہے کہ ایک عام پاکستانی اس پروپیگنڈا کو اس حد تک متاثر نہیں ہو رہا کہ وہ اسلام سے متنفر ہو جائے مسجدیں کل کی نسبت آج زیادہ نمازیوں سے بھری پڑی ہیں مساجد میں ہونے والوں دھماکوں، دہشت گردی اور خونریزی کی پر اسرار وارداتیں بھی پاکستانیوں کو مسجد سے دور نہیں کر سکی آج بھی ایک پاکستانی اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہے دنیا کا حکومتی میڈیا اور چکا چوندا سے اپنے شاعر اسلام سے متنفر نہیں کر سکی پاکستان میں تمام تر میڈیا وار کے باوجود اسامہ آج بھی کروڑوں کا ہیرو ہے آج بھی مائیں اپنے بچوں کا نام اسامہ رکھنا فخر سمجھتی ہے تمام تر امریکی کوششوں اور موجودہ حکومت کی منصوبہ بندیوں کے باوجود مدرسے ہزاروں لاکھوں طلباء سے بھرے پڑے ہیں تاہم یہ بد قسمتی اپنی جگہ قائم ہے کہ وہاں ان طلبہ کو نشانہ بنایا جا رہا ہے سانحہ لال مسجد نے سب سے زیادہ نقصان مدرسوں کے امیج کو پہنچایا۔ جہاد کے تصور کو نقصان پہنچایا۔ مولوی کے کردار پر مزید انگلیاں اٹھانے کا موقع فراہم کیا اس دن تک جاری رہنے والے اعصاب شکن واقعات کروڑوں پاکستانیوں کی روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ پہلی بار ایسا معرکہ لوگوں نے علماء کے کردار اور جہاد کے نام پر جاری اس خونریزی پر بیزاری اور نفرت کا اظہار کیا ایک عام سادہ پاکستانی جہاں جاں بحق ہونے والے بے گناہوں کے غم میں افسردہ تھا اذیت کا شکار تھا۔ حکومتی بے حسی پر سراپا احتجاج تھا۔ اس سے وہ غازی برادران کی ضد اور ٹکراؤ سے متنفر تھا۔ وہ سینکڑوں بچوں کی زندگی ریغمال بنائے جانے کا ذمہ دار غازی برادران کو قرار دیتا تھا جو کام امریکہ کی کروڑوں ڈالر کی اشتہاری مہمیں میڈیا اور این جی اوز ماڈریٹ حکومتیں نہ کر سکیں۔ غازی برادران کی مہم جوئی نے کر دکھایا عام آدمی مدرسے سے مایوس ہوا۔ علماء کے کردار

پرائگلیاں اُنھی اسلام کے جہاد کا تصور متاثر ہوا اسلام کے نام پر خونریزی کا دھبہ لگا۔ عام آدمی کو شرافت کے لیے جہاد کے عوض خون کے چھینٹے اڑتے دیکھنے پڑے لاشوں کے ڈھیر اٹھانے پڑے ایک خوبصورت مسجد کی تباہی دیکھنی پڑی اور سب سے آخر میں اسلام کی خدمت کا ایک بہت بڑا مرکز لال مسجد کو سینکڑوں ایجنسیوں کی تحویل میں بند ہوتے دیکھنا پڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا غازی برادران تجزیے کی صلاحیت سے عاری تھے کیا وہ صورتحال کا صحیح ادراک کرنے کا شعور نہیں رکھتے تھے اس وقت علم اور تحقیق علم میں ڈوبے رہنے والے لال مسجد کے اکابرین جن کے پُر خلوص رفقاء کاران کے ہمدرد کیا واقعی اس سطح پر ذہنی معذور تھے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ چند ہزار طلباء کو ڈھال بنا کر اور ایک اسلحے کا ڈھیر لگا کر لال مسجد کے نام پر دکھایا جانے والا اسلحہ بذات خود ایک سوال ہے کہ کیا اتنا شفاف اسلحہ صرف دکھانے کے لیے مسجد میں استعمال کیوں نہیں ہو سکا؟ کیا ایک ریاست سے ٹکر لینا ممکن ہے؟ کیا پاکستان کی جدید آرمی کو شکست دی جا سکتی ہے؟ کیا چند ایکڑ میں پھیلی ہوئی لال مسجد میں بیٹھ کر شرعی عدالت کا اعلان کرنے سے ملک میں نفاذ شریعت ممکن ہو سکتا ہے؟ کیا غازی برادران ملک میں موجود فورسز (جن کا اقتدار اور وسائل پر کسی حد تک قبضہ بھی ہے) چند ہزار طلباء کی مدد سے مجبور کر سکیں گے؟ کہ وہ اسلام کے نفاذ کو تسلیم کر لیں جب غازی برادران ریاستی مشینری سے ٹکرا رہے تھے تو کیا وہ دینی پسماندگی کی اس سطح پر تھے؟ کیا مہم جوئی کی خواہش نے انہیں اس سطح پر اندھا کر دیا تھا؟ کہ انہیں فتح کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا حتیٰ کہ ان کی آنکھوں کے سامنے گرتی معصوم بچوں کی لاشیں اگر ان تمام مندرجہ بالا باتوں کو غلط سمجھ لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ غازی برادران حقیقت پسند اور صورتحال کا صحیح ادراک کرنے والے لوگ تھے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ کون سی حکومتیں تھیں جنہوں نے انہیں یقین دلایا کہ کچھ

بھی ہو جائے جامعہ کو نقصان نہیں پہنچے گا، طلباء کو نقصان نہیں پہنچے گا اور ان کے اس اقدام کا مقصد پاکستان اور بین الاقوامی دنیا میں ایک پیغام پہنچانا ہے نفاذ شریعت کی کوششوں کا آغاز کرنا ہے وہ کون پردہ نشین تھے جنہوں نے غازی برادران کو اس مہم پر اکسایا انہیں میڈیا میں ہیرو بننے کی چاٹ لگائی میڈیا میں مسلسل ان کو رہنے کا ہنر دیا وقتاً فوقتاً ان کی سرپرستی کرتے رہے انہیں کھل کھیلنے کا موقع فراہم کیا اور انہیں یہ یقین دلایا کہ اُن کا کوئی کچھ نہیں بگاڑے گا وہ ہیرو ہے ہیرو رہیں گے وہ کون لوگ ہیں؟ جو غازی برادران کو ہلہ شیری دے کر پوائنٹ آف نوریشن تک لے کر آئے اور پھر انہیں ایک برقعہ میں رسوا ہونے اپنی محترمہ والدہ کو کلمہ پڑھانے حجرے میں اپنی موت کا تنہا انتظار کرنے کے بعد غائب ہو گئے سانحہ لال مسجد کا سب سے زیادہ فائدہ امریکہ اور صدر پرویز مشرف کو ہوا اوسب سے زیادہ نقصان اسلام کے تشخص جہاد کے تصور، مدرسے کی حرمت اور علماء کے کردار کو پہنچا۔

ایک پرندے کے زخمی ہونے پر تلملا جانے والے امریکہ اور یورپ نے ان اعصاب شکن ذہنوں میں ایک بار بھی جامعہ میں موجود معصوم طلباء کی جانوں کی حفاظت پر ایک لفظ کہنا گوارہ نہیں کیا انسانی حقوق کسی بین الاقوامی تنظیموں سے لے کر انسانی حقوق کے مائی باپ امریکہ اور یورپ میں ایک بار بھی آپریشن کے پُر امن مشن کی ضرورت پر زور نہیں دیا بلکہ وہ اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ کب یہ آپریشن ختم ہو بہت سارے ذرائع یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپریشن کی آخری رات کامیاب ہونے والے مذاکرات امریکہ کو کسی طور قابل قبول نہیں ہے۔

غازی عبدالرشید اور حکومتی نمائندوں نے مذاکرات کی کامیابی اور تمام اختلافی امور پر متفقہ کر کے اور مذاکراتی شقوں کو فائل شیج دیئے جانے کے بعد تھکے ہارے حکومتی

وزراء اور علماء جب ایوان صدر پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ ایوان صدر میں ان کی تمام شقوں کو کاٹ کر وہیں ناقابل قبول شرائط بحال کر دیں جو پہلے ان سے حکومتی موقف کا حصہ تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایوان صدر نے یہی کچھ کرنا تھا تو مذاکرات کے نام پر اتنا لمبا ڈرامہ کیوں کھیلا گیا اور اگر وفاقی وزراء کو کوئی مینڈیٹ حاصل ہی نہیں تھا تو کیا وہ صرف ڈرامے کا ٹائم بڑھانے کے لیے اپنا کردار ادا کرتے رہے وہ کس حیثیت سے لال مسجد میں مذاکرات چلتے تھے اور درپردہ ان کا اصل ایجنڈہ کیا تھا اگر بقول وزراء دہشت گردوں کو کسی قسم کی چھوٹ ملنی ہی نہیں تھی تو انہیں کس خواب کے سہارے مذاکرات کا جھولا جھلایا جاتا رہا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لال مسجد نے صدر پرویز مشرف کے اقتدار کو ایک نیا سہارا دیا ہے۔

مرنے والوں نے مر کر صدر مشرف کو نئی زندگی عطاء کی ہے۔ وہ سپریم کورٹ کے ہاتھوں روزانہ ہونے والی ندامت سے بچ گئے۔ اے پی سی کے غبارے سے ہوا نکل گئی، عوام میں ان کی رہ جانے والی انتہائی کم مقبولیت کو پھر سے دوام ملا۔ عام آدمی نے غازی برادران سے بیزاری کا اظہار کر کے بالواسطہ پرویز مشرف کی حمایت کا اظہار کیا۔ آج پرویز مشرف 2 اپریل کی نسبت زیادہ مضبوط پوزیشن میں ہیں۔ عوام میں ان کا گراف بڑھ گیا۔ دینی طبقے میں وہ پہلے کون سا پاپولر تھے ہاں امریکہ اور یورپ میں وہ پھر ایک ہیرو کے طور پر مانے جائیں گے۔

سانحہ لال مسجد کا خون ان لوگوں کی گردنوں پر ہے جنہوں نے اپنے مذہبی جنون میں یا اقتدار کو دوام بخشنے کی خواہش میں ایک بحران پیدا کر کے حکومت کو مزید کمزور کرنے کے لئے معصوم زندگیوں کے خون سے ہولی کھیلی اس جرم میں وہ لوگ برابر

کے شریک ہیں جنہوں نے دینی مدرسوں کو علم کے نور سے نکال کر جہاد کے نام پر گھور اندھیروں میں دھکیل دیا جنہوں نے ایک ایسا جہادی کلچر تشکیل دیا جس نے جنت کی خواہش پر نوجوانوں کو مرنے پر اکسایا وہ مدرسے جہاں سے عالم پیدا ہونے چاہیں تھے انہیں ”شہید ساز فیکٹری“ بنا دیا گیا اور اس فیکٹری کی ”پروڈکشن“ عروج پر پہنچانے کے لئے کروڑوں روپے سے لے کر اسلحہ تک کا حصول آسان بنایا۔ اس جرم میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جنہوں نے گاہے بگاہے تھانوں، سکیورٹی ایجنسیوں، بااثر سرکاری اداروں میں غازی برادران کو تحفظ فراہم کیا۔

اس جرم کی ذمہ دار وہ ایجنسیاں بھی ہیں جنہوں نے لال مسجد کو خون سے لال ہونے کا راستہ فراہم کیا۔

اسلحہ کے لگنے والے ڈھیر خطرناک ہتھیار مسجد میں آنے دیئے اسلام اور جہاد کے نام پر ایسا گروہ اکٹھا ہونے دیا جس نے بھوک، غربت، احساس محرومی اور احساس کمتری کا شکار ہزاروں معصوم طلبہ کے ذہنوں پر جہاد کا وہ تصور چسپاں کیا جس کا اختتام ایک المناک اور خونیں منزل پر ہوا۔

اس سانحہ کا مجرم ہمارا وہ معاشرہ بھی ہے جس نے والدین اپنی غربت اور بھوک کے ہاتھوں اپنے جگر گوشوں کو مدرسوں میں بھیجنے پر مجبور کرتا ہے۔ جہاں ان کے بچوں کو دو وقت کی روٹی مل سکے اور وہ ان کی کفالت سے آزاد ہو سکیں۔

یہی بچے جب مدرسوں میں جا کر اپنے ہونے کا احساس پاتے ہیں اپنی ایک شناخت یا ایک سایہ عافیت پاتے ہیں تو وہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

اس سانحہ کے مجرم وہ علماء بھی ہیں جو بیرونی دنیا میں جاری و ساری شکست و ریخت، تبدیلیوں، حقیقتوں کا ادراک کئے بغیر سمجھتے ہیں کہ وہ عمل کردار اور وسائل کے بغیر

انقلاب لا سکتے ہیں اور پھر وہ اپنی اس مہم جوئی اور جنگجوئی کی بھینٹ معصوم زندگیوں کو چڑھا دیتے ہیں۔ اس سانحہ کے مجرم وہ منافقین بھی ہیں جو کئی چہرے رکھتے ہیں۔ ایوان صدر میں ان کے چہروں کی لالی کچھ اور ہوتی ہے اور غازی برادران کے سامنے کچھ اور جو معاملے کے پرامن حل کی رٹ بھی لگاتے رہے اور در پردہ غازی برادران کو ڈٹ جانے پیچھے نہ ہٹنے، فکر ا جانے کا مشورہ دیتے رہے۔

اس سانحہ کے مجرم وہ وفاقی وزراء اور حکومتی نمائندے بھی ہیں جو اس سانحہ کا ڈراپ سین ایک خاص مدت تک لے جانا چاہتے تھے۔

اس سانحہ کے مجرم وہ سیاست دان بھی ہیں جو اپنی روائتی منافقت کا سہارا لے کر آدھے تیز آدھے بیڑ رہے۔ اخلاقی جرات سے عاری یہ سیاست دان سچ اور جھوٹ، ظالم اور مظلوم، حق اور باطن، مذہب اور جنون، ریاست اور انصاف، اقتدار اور رقم کا تعین نہ کر سکے۔

نہ وہ کھل کر مشرف کے اقدامات کی حمایت کر سکے نہ غازی برادران کی مکمل حمایت کی۔

اس سانحہ کے مجرم وہ حکمران بھی ہیں جن کی آنکھیں چھوٹے چھوٹے مفادات اور اپنی ناک سے آگے نہیں دیکھ سکتی جو رحم، عدل، انصاف، شفقت، محبت، احسان کی صلاحیتوں سے عاری ہیں جن کی نظر میں زندگیوں کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس سانحہ کے مجرم ہم سب بھی ہیں جو بے بسی، مجبور، لاچار اور ضعیف ہیں ہم کہ جو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے لوگوں کو لٹتے پٹتے مرتے دیکھتے ہیں اور صرف اس بات پر بحث کرتے رہ جاتے ہیں کہ مرنے والا شہید تھا یا واجب القتل، ہم کہ وہ مجبور ہیں جو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ملک میں مذہب کے نام پر جہاد کے نام پر شریعت

کے نام پر مدرسوں کے نام پر روشن خیالی کے نام پر اور لبرل ازم کے نام پر اپنے ملک کو آگ لگتا تباہ ہوتا دیکھ رہے ہیں۔

پاکستان میں تہذیبوں کا تصادم آہستہ آہستہ اپنے منطقی ٹکراؤ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ دعا ہے کہ اگر اللہ پاک وہ وقت نہ لائے جب یہ قوم عراق، افغانستان، فلسطین کی طرح دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے اور ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کا فلسفہ لاشوں کی شکل میں اپنی بولی بولنے لگے۔ جو قومیں تجزیے کی صلاحیت کھودیت یہیں اپنے دشمنوں کے اصل چہرے پہچاننے کی قوت سے عاری ہو جاتی ہیں جو مختلف ناموں، مذہب، جہاد، اعتدال پسندی، روشن خیالی کے کھیل میں زندگیاں برباد کرنے جو ان لاشے اٹھانے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ جو علم اور جہالت، حق اور باطل، سچ اور جھوٹ میں تمیز کھودیتی ہیں ان کے وجود کا رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

میری دعا ہے کہ خالق کائنات ہمیں وہ شعور عطا کرے جس سے ہم اصلی چہرے پہچاننے لگیں، رہبری کے روپ میں چھپے فرعونوں کو شناخت کر سکیں۔

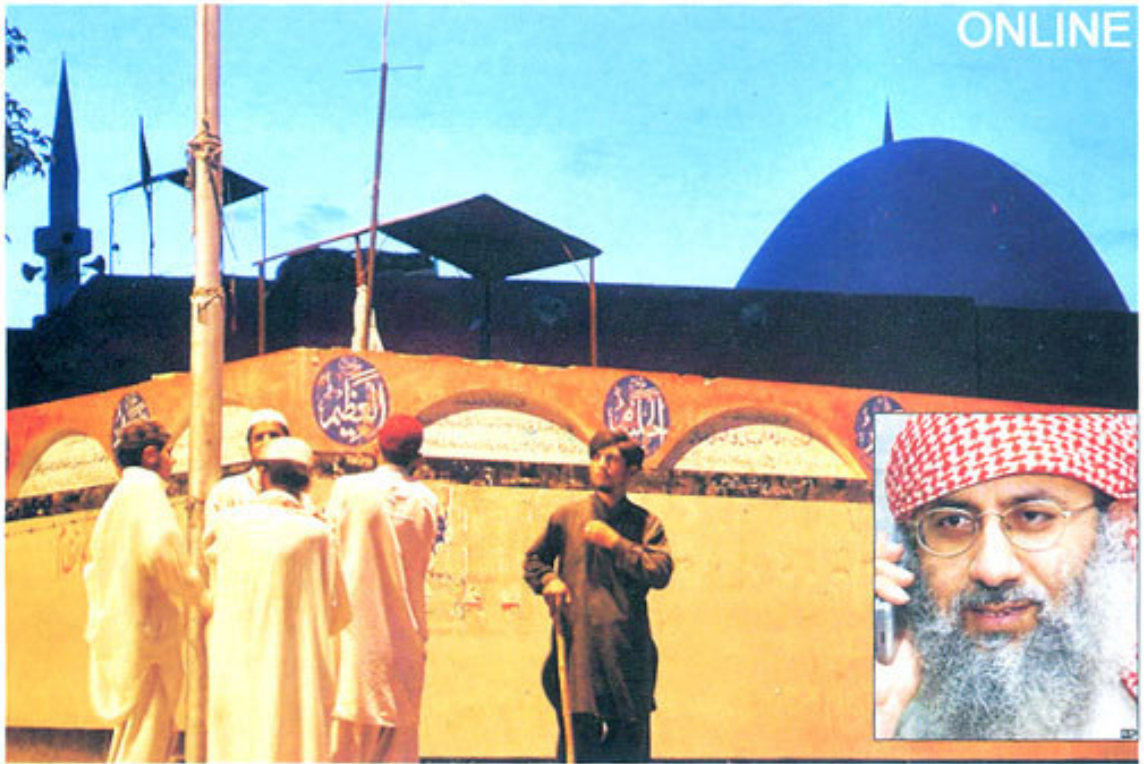
مذہب کی آڑ میں جنونیوں کا محاسبہ کرنے لگیں کسی مجرم کو تلاش کرنے کے بجائے جرم کو ہونے سے پہلے بھاپنے حالات کا ادراک کرنیکی صلاحیت پالیں۔ میری دعا ہے کہ غربت، بیروزگاری، عدم تحفظ کا شکار نو جوان مذہبی لیروں، روشن خیالوں، دہشت گردوں کے جال سے محفوظ رہ سکیں۔ وہ جہاد کی اصل روح کو سمجھ سکیں اپنی منزل کا تعین ضرور کر سکیں، زندہ رہ سکیں زندہ رکھ سکیں۔











Pix21-45

ISLAMABAD May21 – Students of Lal Masjid stand guard outside the mosque in the early morning. As authorities did not open fire despite the heavy preparations on late Sunday night. ONLINE PHOTO by Waseem Khan





